ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

۹ شعبان/رمضان ۱۴۲۸ھ ستمبر ۲۰۰۸ء

- میز بانِ رسول حضرت ابوایوب انصاریؓ
- استقبالِ رمضان المبارک
- گاؤ آمدو خر رفت
- کہاں گیا وہ آخری مُلّا
- مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمتہ اللہ علیہ
- جشنِ آزادی نہیں، یومِ تجدید عہد!
- قادیانیوں کی نئی چال

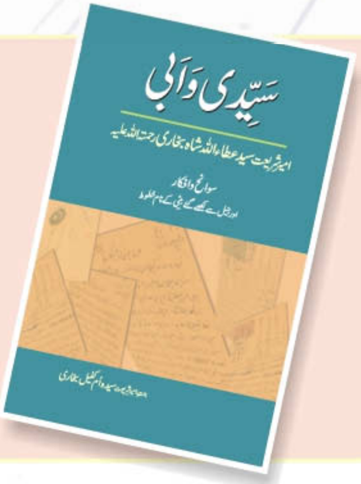

بنتِ امیر شریعت سیدہ اُم کفیل بخاری کی کتاب

سیّدی وَ اَبی

شائع ہوگئی ہے

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی
سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ
قائم شدہ
28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

الحمدللہ

مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی و فکری سفر پر گامزن ہے اور تسلسل کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ طلباء کے لیے مدرسہ معمورہ اور طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ و ناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری و مڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے۔

- دارالقرآن
- دارالحدیث
- دارالمطالعہ
- دارالاقامہ

کی تعمیر میں حصہ لیں

طلباء کی درس گاہوں، رہائش، دفتر اور لائبریری کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دو منزلہ عمارت کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔ لاگت فی کمرہ دولاکھ پچاس ہزار روپے ہے۔ صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد و سامانِ تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔

ترسیلِ زر
بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری مدرسہ معمورہ
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان
بذریعہ آن لائن: 2-3017-010 بینک کوڈ: 0165

رابطہ
061 - 4511961
0300-6326621
majlisahrar@yahoo.com
majlisahrar@hotmail.com

الداعی الی الخیر
ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری
امیر
مجلس احرار اسلام
پاکستان

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد: سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
بانی: ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 19 شمارہ 9 شعبان، رمضان 1429ھ / ستمبر 2008ء
Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-5411

زیر سرپرستی
مولانا حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری

مدیر مسئول
سید محمد کفیل بخاری

رفقائے فکر
پروفیسر خالد شبیر احمد
عبداللطیف خالد چیمہ، سید یونس الحسنی
مولانا محمد مغیرہ، محمد عمر فاروق

کمپیوٹر ایڈیٹر
محمد الیاس میراں پوری
ilyas_miranpuri@yahoo.com
ilyasmiranpuri@gmail.com

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد

تشکیلات

دل کی بات:	گاؤ آمد و خر رفت	مدیر	2
دین و دانش:	استقبالِ رمضان المبارک	سید عزیز الرحمن	3
//	سیدنا حضرت ابوایوب انصاریؓ	بابو شفقت قریشی	6
شاعری:	نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	سید عطاء المحسن بخاریؒ	9
//	اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں؟	امیر الاسلام ہاشمی	10
//	رنگِ سخن	پروفیسر محمد اکرام تائب	12
افکار:	کہاں گیا وہ آخری تنگا	عرفان صدیقی	13
//	جشنِ آزادی نہیں، یومِ تجدیدِ عہد!	انیف کاشر	16
//	مسلمانو! حیاتِ جاوداں پانے کے دن آئے	عبدالرشید ارشد	19
//	ترقی کا اسلامی معیار	ڈاکٹر حقانی میاں قادری	23
شخصیت:	سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، ایک استعمار دشمن شخصیت	ڈاکٹر محمد عمر فاروق	26
//	مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ	مولانا محمد اسحاق بھٹی	30
ردِ قادیانیت:	قادیانیوں کی نئی چال	مولانا زاہد الراشدی	31
//	قادیانیت کا صد سالہ جشن...... (آخری قسط)	پروفیسر خالد شبیر احمد	34
روشنی:	مسلمانوں کو مرتد کرنے والے ڈاکٹر کا قبولِ اسلام	بصیر احمد	44
طنز و مزاح:	زبان میری ہے بات اُن کی	ساغر اقبالی	50
حسنِ انتقاد:	تبصرۂ کتب	کفیل بخاری، صبیح ہمدانی، شیخ حبیب الرحمن بٹالوی	51
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام کی سرگرمیاں	ادارہ	57

ای میل / ویب سائٹ
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com
www.mahrar.com

زرِ تعاون سالانہ
اندرون ملک ------ 200/- روپے
بیرون ملک ------ 1500/- روپے
فی شمارہ ------ 20/- روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت
بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100
بینک کوڈ 0278 یو بی ایل چوک مہربان ملتان

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ شعبۂ تبلیغ مجلس احرار اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز
Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

رابطہ: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
☎061-4511961

دل کی بات　　مدیر

گاؤ آمد و خر رفت

صدر پرویز مشرف بالآخر اپنے عزیز ہم وطنوں سے خطاب کے بعد ۱۸؍اگست ۲۰۰۸ء کو ملک کی صدارت سے مستعفی ہوگئے۔ وہ تقریباً پونے نو برس امریکی اشتراک اور چودھری برادران کے کھڑاگ کے ساتھ برسرِ اقتدار رہے۔ اُن کا عہدِ اقتدار ظلم و سفاکی، وحشت و درندگی، قتل و غارت گری، بدامنی اور بداخلاقی میں اپنی مثال آپ تھا۔ وہ نشۂ اقتدار میں بدمست ہوکر مُکّے لہراتے رہے۔ روشن خیالی کے نام پر اہلِ صدق و صفا کو گالیاں بکتے رہے۔ دہشت گردی کے خلاف نام نہاد امریکی جنگ کے نام پر قتل و غارت گری کرتے رہے۔ انھوں نے دوبار ملک کا آئین توڑا، عدلیہ کو تہس نہس کیا، چیف جسٹس آف پاکستان کو معطل کیا، اسلام آباد کی مساجد کو مسمار کیا، لال مسجد کو بلڈوز کیا، جامعہ حفصہ کی معصوم بیٹیوں پر بم برسائے اور اُن کی لاشوں کو جلایا، قرآن پاک کی بے حرمتی کی، خود بھی ناچے اور قوم کی بہو بیٹیوں اور بیٹوں کو نیکریں پہنا کر سڑکوں پر دوڑایا اور نچایا۔ ہر اخلاقی قدر کو پامال کیا، ملک کا ستیاناس کیا اور جاتے جاتے گارڈ آف آنر کا معائنہ کیا۔ ایک قومی مجرم کو اس کے قومی جرائم پر گارڈ آف آنر پیش کیا گیا۔

ادھر ملکی سیاست کے تھیلے سے نیا صدارتی ''باگڑ بلّا'' باہر آچکا ہے۔ پیپلز پارٹی نے آصف زرداری کو صدارتی امیدوار نامزد کردیا ہے۔ کئی دنوں سے جاری ''این آر او'' (قومی مفاہمت) کے ڈرامے کا ڈراپ سین یہی ہوسکتا تھا۔ معاہدۂ لندن، معاہدہ مری، مذاکرات در مذاکرات سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ وکلاء کی تحریک سیاسی جغادریوں کی سان پر چڑھ کر تحلیل ہوگئی۔ مواخذے کا ٹوپی ڈرامہ ختم ہوا۔ جج بحال ہوئے نہ جامعہ حفصہ کی معصوم بیٹیوں کا قاتل پکڑا گیا۔ امریکی صدر بش کی سرپرستی میں دیسی حکمرانوں کا ''میوزیکل چیئر'' جاری ہے۔ بش نے ہمارے بے بس، بے اختیار اور بے زبان وزیراعظم کو اس کامیاب ''رخصتی شو'' پر مبارک باد دی ہے۔ لیکن مبارک باد اور مبارک سلامت کی گرد جیسے جیسے بیٹھ رہی ہے، سوچنے اور سمجھنے والوں کے دل بھی بیٹھ رہے ہیں۔ ''گاؤ آمد و خر رفت'' کا منظر پوری طرح سامنے ہے۔ بلکہ یہاں گاؤ نہیں نرگاؤ سامنے ہے اور انجام وہی جسے انگریزی میں a bull in a china shop سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

آنے والے دن ''ڈومور'' (Do More) کی امریکی بے تابیوں اور ان کی غلامانہ تعمیل سے پیدا ہونے والی خوفناک خرابیوں کے بڑھتے چلے جانے کے دن ہیں۔ ملک عزیز پرویزی جمہوریت کے جان لیوا جھٹکوں سے گزر چکا ہے اور زرداری جمہوریت کے ستم سہنے کے لیے تیار کیا جارہا ہے۔

چمک رہی ہیں جو عالم پناہ کی آنکھیں
سروں کی فصل ہے تیار کچھ خبر بھی ہے؟

استقبالِ رمضان المبارک

سید عزیز الرحمٰن*

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں رمضان المبارک کے عظیم اور بابرکت مہینے کی آمد اور اس کے مقام اور اہمیت کے متعلق صحابہ کو تعلیم دی۔ ہم آمدِ رمضان کے موقع پر آج کی نشست میں اسے اپنے قلوب واذہان میں تازہ کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے لوگو! تمہارے اوپر ایک عظیم اور بابرکت مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینے کی ایک رات (شبِ قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام (تراویح) کو نفلی عبادت مقرر کیا ہے، جو شخص اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی غیر فرض عبادت (سنت، نفل) ادا کرے گا تو اس کو رمضان کے علاوہ دوسرے ایام کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا، اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب رمضان کے علاوہ اور ایام کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اور اس مہینے میں مومنوں کے رزق میں اضافہ کر دیا جاتا ہے، جس نے اس مہینے میں کسی روزے دار کو اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی نیت سے افطار کرایا تو اس کے لیے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزے دار کے ثواب میں سے کوئی کمی کیے بغیر روزے دار کے برابر ثواب دیا جائے گا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی ثواب عطا فرمائے گا جو ایک کھجور یا پانی کے ایک گھونٹ پر یا لسی کے ایک گھونٹ پر کسی روزے دار کو روزہ افطار کرادے۔ یہ ایسا مبارک مہینہ ہے جس کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ دوزخ سے نجات ہے، جو شخص اس مہینے میں اپنے غلام (ملازم، خادم) کے کام میں تخفیف کرے گا اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اسے دوزخ سے آزاد کر دے گا، اس مہینے میں تم چار خصلتوں کے لیے خوب کوشش کرو، دو خصلتیں وہ ہیں جن سے تمہارا رب راضی ہوگا اور دو خصلتیں وہ ہیں جن سے تم بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ دو وہ خصلتیں جن سے تمہارا رب راضی ہوگا یہ ہیں: (۱) اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (۲) اور اللہ سے گناہوں کی معافی مانگنا۔

* مدیر: شش ماہی ''السیرۃ'' کراچی

اور دو خصلتیں جن سے تم بے نیاز نہیں رہ سکتے یہ ہیں: (۳) اللہ سے جنت کا سوال کرنا (۴) دوزخ سے پناہ مانگنا، اور اس جس شخص نے کسی روزے دار کو پلایا تو اللہ اسے میرے حوض (حوضِ کوثر) سے ایسا مشروب پلائے گا جس کے پینے کے بعد اس کو کبھی پیاس نہیں لگے گی، یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔" (الرغیب والترھیب، ج ۲: ص ۲۱۸)

غور کیا جائے تو اس روایت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ اس طویل خطبے میں ہمارے لیے رمضان المبارک کے حوالے سے جامع ہدایات موجود ہیں، چند نکات کا ذیل میں جائزہ لیتے ہیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد اور خطبے کا آغاز رمضان المبارک کی عظمت کے بیان سے ہوتا ہے۔ آپ کے خطبۂ مبارکہ کا پہلا پیغام یہ ہے کہ یہ ماہِ مبارک سال کے دیگر گیارہ مہینوں کی مانند نہیں ہے، جس کے نہ آنے سے ہمارے معمولات میں کوئی تغیر آتا ہے، نہ جن کے رخصت ہونے پر ہماری زندگی اور شب وروز کے معاملات تبدیل ہوتے ہیں بلکہ یہ مہینہ اُن سے ہٹ کر ہے، اس لیے اس کے آغاز پر ہمارا رویہ بھی عام معمول سے ہٹ کر ہونا چاہیے۔ یہ عظیم مہینہ ہے، یہ برکتوں والا ہے، خصوصاً اس میں ایک ایسی رات بھی پوشیدہ ہے، جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے جو اس ماہ مبارک کے عشرۂ آخر کی طاق راتوں میں پوشیدہ ہے، جس کو تلاش کرنے اور اس میں عبادت کرنے کی تاکید اور حکم ہے، یہ رات اس امت کی خصوصیات میں سے ہے، جس سے دوسری کسی امت کو نہیں نوازا گیا۔

(۲) اس مہینے کا خاص وظیفہ دو عبادتیں ہیں، دن کے اوقات میں روزہ اور اس کی شب میں تراویح، یہ دونوں عبادتیں اس معنی میں اسی ماہِ مبارک کے ساتھ خاص ہیں کہ دیگر ایام میں ان کی حیثیت نفل سے زیادہ نہیں، اس لیے ان کی ادائیگی کے لیے خاص سرگرمی، خاص ذوق وشوق اور خاص دلچسپی کا مظاہرہ ایمان کا تقاضا ہے۔

(۳) اس مہینے کی برکات بے شمار ہیں، اور اس کے فضائل بیش بہا، جن میں سے ایک بہت بڑی برکت یہ بھی ہے کہ اس میں عبادت کے درجات اور اس پر ملنے والا اجر اور انعام بڑھا دیا جاتا ہے اور کسی شرح سے؟ اصل سے ستر گنا زیادہ اور اس مہینے کا نفل عام ایام کے فرض کے بر بر ثواب اور قدر و قیمت رکھتا ہے، جب کہ اس مہینے کا فرض عام ایام کے ستر فرضوں کے برابر ثواب کا حامل ہے۔ اور یہ بات عام ایام رمضان کی ہے، اگر لیلۃ القدر کے ثواب اور اجر کا جائزہ لیں تو بات کئی ہزار گنا تک جا پہنچتی ہے۔ اس ایک مثال سے اس ماہ مبارک کی برکتوں کے بارے میں اندازہ کیا جا سکتا ہے جب کہ اس کی برکات کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

(۴) یہ مہینہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد میں بھی ہم سے سرگرمی کے مظاہرے کی امید کرتا ہے اور اس پہلو پر بھی ہماری توجہ دلاتا ہے، ہم کہ عام ایام میں اگر عبادات کو ادا کر بھی لیتے ہیں تو حقوق العباد عام طور پر ہماری توجہ سے محروم رہتے ہیں۔ یہ صورتِ حال ہمارے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے، اس لیے یہ ماہِ صیام ہمیں اس حوالے سے بھی اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو دور کرنے کا ایک موقع عطا کرتا ہے، اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح محض چند رسمی عبادات کا مجموعہ نہیں، اس کا پورا نظام ہے، جس میں حقوق

اللہ اور حقوق العباد کو مکمل اعتدال کے ساتھ بالکل بیلنس کر کے رکھا گیا ہے۔

(۵) اس مہینے میں دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات کو پروان چڑھانا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ ہمارے آس پاس اور دائیں بائیں کس نوعیت کی احتیاج اور ضرورتیں رکھنے والے افراد تو نہیں ہیں؟ جن کی خاموش اور خفیہ مدد کر کے اپنا رمضان کامیاب بنا سکیں۔ یاد رکھئے کسی مستحق کے ساتھ خیر خواہی ہمارے ایمان کا تقاضا، ہماری ذمے داری کا حصہ، رمضان المبارک کا ہم سے ایک اہم مطالبہ اور خود ہماری ایک ضرورت ہے، اور اس کے لیے نہ کسی تنظیم کی ضرورت ہے، نہ پراپیگنڈے کی، نہ تشہیری ذرائع کی، ضرورت صرف سوز وگداز دل اور اپنی ذمے داریوں کو پہچاننے کی ہے پھر اس مقصد کے لیے کسی لمبے چوڑے سرمائے کی بھی حاجت نہیں، اپنی گنجائش میں رہتے ہوئے محدود بلکہ محدود ترین سرمائے سے بھی یہ کام ہوسکتا ہے۔

اس خطبۂ مبارکہ میں اس جانب اشارہ فرمایا گیا کہ پانی کے ایک گھونٹ پر کسی کو افطار کرا دینا بھی باعث اجر وثواب ہے، اس کا مفہوم یہ نہیں کہ خود تو انواع واقسام کی لذتوں سے محظوظ ہوں اور مستحقوں کو پانی کا گلاس پکڑا کر فخر محسوس کریں، یہ حکم اس وقت ہے جب کوئی اور چیز میسر نہ ہو۔

(۶) انسان جب کوئی چھوٹا سا نیک کام بھی کرتا ہے تو اس کی فطرت اس کا تذکرہ چاہتی ہے، یہ تذکرہ بعض اوقات احسان جتانے کی حدود میں بھی داخل ہو جاتا ہے، جو فریق ثانی کے دلی تکدر اور ذہنی اذیت کا باعث بنتا ہے، اس لیے اس سے بھی منع فرمایا گیا اور فرمایا کہ ہر نیک کام سے مقصود ذاتی تشہیر نہیں ہونی چاہیے بلکہ نیت خالص اللہ کی رضا کے حصول کی ہونی چاہیے، تب ہی ان نعمتوں کے حق دار بنو گے جن کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔

(۷) اس مہینے میں ہم نے تجدید ایمان بھی کرنا ہے، تجدید ایمان کا مفہوم ہے اپنی وفاداریوں کو چیک کرنا اور خود احتسابی سے اپنے آپ کو گزار کر دیکھنا کہ اگر ہم زبان سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر رہے ہیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہمارا عمل کس حد تک ہمارے ان دعوؤں کی تصدیق کرتا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ دعوے ادھورے ہوں یا ہمارا عمل خود ہمارے دعووں کی تکذیب کر رہا ہو، اور اگر بالفرض ماضی میں ہم اس کوتاہی کا شکار رہے ہیں تو اب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک موقع عطا کیا ہے جس کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے ایمان کو از سرنو تازہ کریں اور اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

(۸) دعا مؤمن کا ہتھیار ہے، اس سے بھی اس ماہِ مبارک میں بڑھ چڑھ کر کام لینا ہے، ہمیں ہر طرح کی فلاح اور خیر اللہ سے مانگنی ہے، خصوصاً جنت کا سوال کرنا ہے جو ہمارا مقصدِ اصلی اور مسکن اصلی ہے اور دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ طلب کرنی ہے کہ وہی مؤمن کی امیدوں کو قائم رکھنے والا، اس کی دعاؤں کو قبول کرنے والا اور انھیں ہر طرح کی فلاح اور کامیابیاں عطا کرنے والا ہے۔

میزبانِ رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

بابو شفقت قریشی

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا اصل نام خالد بن زید اور کنیت ابوایوب تھی۔ آپ کی کنیت اتنی مشہور ہوگئی تھی کہ ان کا اصل نام پس پردہ چلا گیا۔ آپ ہجرتِ نبوی سے ۳۱ برس بیشتر مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار انصار کے سابقون الاوّلون میں ہوتا ہے۔ آپ خزرج کے خاندان بنونجار کے رئیس تھے۔ آپ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے بعد آپ کو دو رفقاء کے ساتھ بیعت عقبہ کبیرہ میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اس موقع پر عرض کیا: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ مدینہ تشریف لے آئیں۔ خدا کی قسم ہم اپنی جانوں اور مالوں سے آپ کی حفاظت اور مدد کریں گے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے جب مدینہ میں داخل ہوئے تو اہل مدینہ نے اس والہانہ جوش و خروش سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انصار کے ہر قبیلہ کی خواہش تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شرفِ میزبانی اسے حاصل ہو۔ قبائل کے رئیسوں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی: ''یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمارے گھر آپ کے لیے حاضر ہیں۔ آپ ہمارے گھر تشریف لائیں۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا کہ اس ناقہ (اونٹنی) کو چھوڑ دو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے۔ ''قصویٰ'' اونٹنی حضرت ابوایوب انصاری کے دو منزلہ مکان کے سامنے جا کر بیٹھ گئی اور یوں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو میزبانئ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان باب جبرائیل سے باہر نکل کر قبلہ رخ چند قدم چلیں تو ایک گلی کے اندر داخل ہوتے وقت الٹے ہاتھ پر ہوا کرتا تھا جو کہ اب مسجد نبوی کی توسیع میں آ گیا ہے اور موجود نہیں ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کا ایک کمرہ نیچے اور دوسرا اوپر تھا۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ بالائی منزل میں قیام فرمائیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس لوگ آتے جاتے رہیں گے، اس لیے نچلی منزل میں قیام بہتر رہے گا۔ لیکن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی اوپر کی منزل پر رہنا بے ادبی تصور کرتے تھے۔ تاہم بادل نخواستہ انھوں نے اوپر کی منزل میں رہنا شروع کر دیا۔

ایک دن بالائی منزل پر پڑا ایک برتن ٹوٹنے سے پانی بہہ کر نیچے جانے لگا تو حضرت ابوایوب انصاری نے پانی پر لحاف ڈا ل کر پانی کو جذب کرلیا۔ اس طرح دونوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ دونوں میاں بیوی کے لیے اوپر کی منزل پر رہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نچلی منزل پر قیام کرنا روحانی اذیت کا باعث تھا۔ یہ صورت حال اس قدر شدت اختیار کرگئی تھی کہ ایک مرتبہ دونوں نے چھت کے ایک کونے میں سکڑ کر رات گزار دی۔ اگلی صبح وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ ہمیں ہر وقت آپ کی بے ادبی کا اندیشہ رہتا ہے، اس لیے آپ ہم پر مہربانی فرمائیں اور اوپر کی منزل پر تشریف لے آئیں۔ آپ کے قدموں کے نیچے رہنا ہمارے لیے باعث سعادت ہوگا۔ رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول کرلی اور خود اوپر کی منزل پر منتقل ہوگئے۔ تقریباً چھ ماہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر پر قیام فرمایا۔ ہجرت کے چھٹے مہینے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین رشتہ مواخاۃ قائم فرمایا۔ اس دوران مسجد کے ساتھ دو حجروں کی تعمیر مکمل ہوگئی تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر سے ان حجروں میں منتقل ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی: ''اے ایوب! اللہ تمہیں اپنے حفظ وامان میں رکھے کہ تم نے اس کے نبی کی نگہبانی کی۔

۲ ہجری میں غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ ہر معرکے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ عہدِ فاروقی کے کئی معرکوں میں شریک ہوئے اور کمال درجہ کی شجاعت دکھائی۔ اس کے باوجود شوقِ جہاد ان کے دل میں ہر لمحہ موجزن رہتا تھا۔ قسطنطنیہ بیک وقت بازنطینی سلطنت اور عیسائی مذہب دونوں کا اہم ترین مرکز تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر پر جہاد کرنے والوں کو مغفرت کی بشارت دی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو قیصرِ روم کے شہر قسطنطنیہ پر جہاد کرے گا، اس کی مغفرت ہوگئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے بحری بیڑہ روانہ کردیا تھا، اس میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی شامل تھے اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت بھی شریکِ جہاد تھی۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۸۰ برس تھی لیکن شوقِ شہادت کا جذبہ دل میں موجزن تھا۔ اسلامی بحری بیڑہ بحیرۂ روم سے گزر کر آبنائے فارس میں داخل ہوا اور قسطنطنیہ کے سامنے لنگر انداز ہوا اور مجاہدین کو خشکی پر اتار دیا۔ مجاہدین ابھی ستانے بھی نہ پائے تھے کہ رومی شہنشاہ قسطنطنیہ چہارم نے مجاہدین پر حملہ کردیا جسے مجاہدین نے جوانمردی سے روکا اور خون ریز جنگ شروع ہوگئی۔ جن دنوں مجاہدین نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا، ان دنوں یورپ کی آب وہوا مسلمانوں کی صحت پر برا اثر ڈال رہی تھی جس کی وجہ سے کثیر تعداد میں مجاہدین بیمار ہوگئے تھے جن میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ جب بیماری شدت اختیار کرگئی تو امیر لشکر یزید بن امیر معاویہؓ نے آپ کی

عیادت کی اور پوچھا کوئی وصیت ہوتو بتائیں۔ انھوں نے یزید سے فرمایا کہ: ''جب میں مرجاؤں تو میرا سلام لوگوں کو پہنچادینا اوران کو یہ بتادینا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے فرماتے سنا ہے کہ جو شخص مرجائے اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانتا ہوتو اللہ تعالیٰ اس کو جنت نصیب کریں گے۔ دوسرے یہ کہ میری لاش کو گھوڑے پر رکھ کر دشمن کی سرزمین میں جہاں تک لے جاسکو لے جاکر دفن کرنا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب غازیانِ اسلام آپ کو قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے دفن کررہے تھے تو قیصرِ روم نے اعتراض کیا، جس کے جواب میں یزید نے کہا کہ: ''ہم صحابی رسول کی وصیت کے مطابق ان کو دفن کررہے ہیں۔ اگر تمہیں اعتراض ہوتو پھر بھی دفن کریں گے یا پھر اپنی جانوں کو اللہ کے حوالے کردیں گے۔'' قیصر نے کہا جب تم لوٹ کر جاؤ گے تو لاش کو نکال کر ہم کتوں کو کھلادیں گے۔ قیصر کے گستاخانہ جملے سن کر یزید نے رومیوں پر سخت حملہ کیا جس سے ان کے حوصلے پست ہوگئے۔ یزید نے قیصر سے کہا کہ: ''اگر مجھے خبر پہنچی کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر کو توڑا پھوڑا گیا تو میں ایک نصرانی کو بھی جو عرب کی سرزمین میں موجود ہوگا زندہ نہیں چھوڑوں گا اور نہ کسی گرجا کو بغیر منہدم کیے چھوڑوں گا۔'' یزید کی اس دھمکی سے قیصر خوفزدہ ہوگیا اور مسیح کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ وہ قبر کی بے حرمتی نہیں کرے گا۔ اس کے بعد اس نے آپ کی قبر پر قبہ بنایا۔ وہاں کے عیسائی قحط کے وقت آپ کے مزار کی طرف رجوع کرتے اور بارش ہوجاتی۔ قسطنطنیہ کے اصل فاتح حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ آپ کے ذریعے اس سرزمین پر پہلی بار اسلام پھیلا اور آپ کے پہلے وسیلے ہی سے اس خاک کو صحابی رسول کا مدفن بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔

(مطبوعہ: فیملی میگزین، ص: ۴۴) [۸ تا ۱۴ رجون ۲۰۰۸ء]

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مجھے پیمبر عزیز تر ہے
اپنے ابّا سے اور ماں سے، متاعِ دنیا سے کل جہاں سے
_____ مجھے پیمبر عزیز تر ہے
مرا پیمبر رؤف بھی ہے رحیم بھی ہے
مرا پیمبر کریم بھی ہے عظیم بھی ہے
مرا پیمبر شفیع وقائد
مرا پیمبر ہے فخرِ آدم
مرا پیمبر ہے روحِ ہستی کہ جس سے بالا زمیں کی پستی
مرا پیمبر مٹانے والا دوئی کے نقش ونگار خانے
مرا پیمبر بتانے والا کہ ابنِ آدم کے سب زمانے
مرا پیمبر ہے ابنِ آدم، طلوع اس کا بہر جہانے
مرا پیمبر ہے اصلِ آدم کہ نقشِ آدم تراب سے ہے
مرا پیمبر کتابِ ناطق جو لوحِ رب کا ہے حرفِ آخر
مرا پیمبر قسیم رحمت
مرا پیمبر نعیم ورحمت
مرا پیمبر عمیم رحمت
عطا ہو مجھ کو بھی، آقا رحمت کہ میں بھی رحمت کا مستحق ہوں
کہ تیری چوکھٹ سے ملتصق (۱) ہوں

(۱) چمٹا ہوا

اقبالؒ تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

امیر الاسلام ہاشمی

دہقان تو مر کھپ گیا اب کس کو جگاؤں
ملتا ہے کہاں خوشۂ گندم کہ جلاؤں
شاہین کا ہے گنبدِ شاہی پہ بسیرا
کنجشکِ فرومایہ کو اب کس سے لڑاؤں
اقبالؒ تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

☆☆☆

ہر داڑھی میں تنکا ہے، ہر اک آنکھ میں شہتیر
مومن کی نگاہوں سے بدلتی نہیں تقدیر
توحید کی تلوار سے خالی ہیں نیامیں
اب ذوقِ یقیں سے نہیں کٹتی کوئی زنجیر
اقبالؒ تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

☆☆☆

شاہین کا جہاں آج کرگس کا جہاں ہے
ملتی ہوئی مُلّا سے مجاہد کی اذاں ہے
مانا کہ ستاروں سے بھی آگے ہیں جہاں اور
شاہیں میں مگر طاقتِ پرواز کہاں ہے
اقبالؒ تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

مرمر کی سلوں سے کوئی بے زار نہیں ہے
رہنے کو حرم میں کوئی تیار نہیں ہے
کہنے کو ہراک شخص مسلمان ہے، لیکن
دیکھو تو کہیں نام کو کردار نہیں ہے
اقبالؒ تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

☆☆☆

بے باکی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مومن
مکاری و روباہی پہ اتراتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو
وہ رزق بڑے شوق سے اب کھاتا ہے مومن
اقبالؒ تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

☆☆☆

پیدا کبھی ہوتی تھی سحر جس کی اذاں سے
اس بندۂ مومن کو میں اب لاؤں کہاں سے
وہ سجدہ زمیں جس سے لرز جاتی تھی یارو
اک بار تھا ہم چھُٹ گئے اس بارِ گراں سے
اقبالؒ تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

جھگڑے ہیں یہاں صوبوں کے ذاتوں کے نسب کے
اُگتے ہیں تہہ سایۂ گل خار غضب کے
یہ دیس ہے سب کا مگر اس کا نہیں کوئی
اس کے گل خستہ پہ تو اب دانت ہیں سب کے
اقبالؒ تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

☆☆☆

محمودوں کی صف آج ایازوں سے پرے ہے
جمہور سے سلطانیٔ جمہور ڈرے ہے
تھامے ہوئے دامن ہے یہا ں پر جو خودی کا
مر مر کے جیے ہے کبھی جی جی کے مرے ہے
اقبالؒ تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

☆☆☆

دیکھو تو ذرا محلوں کے پردوں کو اٹھا کر
شمشیر و سناں رکھی ہیں طاقوں پہ سجا کر
آتے ہیں نظر مسندِ شاہی پہ رنگیلے
تقدیرِ امم سو گئی طاؤس پہ آ کر
اقبالؒ تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

مکاری و عیاری و غداری و ہیجان
اب بنتا ہے ان چار عناصر سے مسلمان
قاری اسے کہنا تو بڑی بات ہے یارو
اس نے تو کبھی کھول کے دیکھا نہیں قرآن
اقبالؒ تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

☆☆☆

کردار کا گفتار کا اعمال کا مومن
قائل نہیں ایسے کسی جنجال کا مومن
سرحد کا ہے مومن کوئی بنگال کا مومن
ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں قرآن کا مومن
اقبالؒ تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

☆☆☆

(مطبوعہ: روزنامہ ''نوائے وقت'' ۹ر نومبر ۲۰۰۷ء)

☆☆☆

رنگِ سخن

پروفیسر محمد اکرام تائبؔ

بل ہے بجلی کا بہت کچھ تو بچایا جائے
''شام کے بعد بھی سورج نہ بجھایا جائے''
جھوٹ کو جھوٹ ہی کہتا ہوں بھری محفل میں
''میں ہوں سقراط مجھے زہر پلایا جائے''
بعد میں جا کے مریں لوگ خلا میں لیکن
''پہلے جینے کا سلیقہ تو سکھایا جائے''
مفت میں آپ کا ''اے سی'' بھی تو چل سکتا ہے
واپڈا والوں کو گر یار بنایا جائے
مل ہی سکتی ہے کسی شیلف سے فائل تیری
ہاتھ میں اُن کے اگر نوٹ تھمایا جائے
گیس اور تیل تو ہیں اپنی سکت سے باہر
خونِ دل اب تو مری جان جلایا جائے
صاف پانی ہی جو مل جائے غنیمت سمجھو
دودھ مانگیں نہ یہ بچوں کو بتایا جائے
چاند سے بڑھ کے سبھی چہرے ہیں روشن ، لیکن
دل جو میلا ہے اسے بھی تو سجایا جائے
زندگی تم کو جو پیاری ہے اگر اے تائبؔ
''زخم کو زخم نہیں ، پھول بتایا جائے''

کہاں گیا وہ آخری مُکّا

عرفان صدیقی

اس نے کس طمطراق سے کہا تھا: ''آخری مُکّا میرا ہی ہوگا۔''

اور ۱۸؍فروری کے انتخابات کے ٹھیک چھے ماہ بعد ۱۸؍اگست کو اس نے یہ مُکّا خود اپنے رخسار پر رسید کیا اور درد کی شدت سے اشکبار آنکھیں لیے رخصت ہوگیا۔

آمر کا یہ زعم ''مُکّا زنی'' بے جا نہ تھا، اسے پورا یقین تھا کہ اس کی طاقت کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ آٹھ برس تک وہ اقتدار مطلق اور اختیار کلی کے مزے لیتا اور مُکّے لہراتا رہا۔ فوج کی وردی، کھال بن کر اس کے وجود کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ نیب اور خفیہ ایجنسیوں کی ٹکسال میں ڈھالا گیا سیاسی طائفہ اس کے اشارۂ ابرو پر رقص کر رہا تھا۔ پارلیمنٹ اس کے خوابوں میں تعبیر کا رنگ بھرنے کے لیے ہلکان ہو رہی تھی۔ وزیراعظم اس کا ذاتی ملازم، کابینہ اس کی کنیز، بیوروکریسی اس کی خادمہ، عدلیہ اس کی خاکروبہ، آئین اس کی جیب کی گھڑی، قانون اس کے ہاتھ کی چھڑی، ایجنسیاں اس کے دربار کی رقاصائیں، ریاستی ادارے درباری گویّے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان اس کی بے مہار خواہشوں کی چراگاہ تھا۔ وہ ایک ناقابل شکست باکسر کی طرح مُکّے چلاتا اور کشتوں کے پشتے لگاتا رہا۔ وہ خود ہی انتظامیہ، خود ہی مقنّنہ اور خود ہی عدلیہ تھا۔ انتظامیہ ایسی کہ وہ کاغذ کے ایک پرزے پر دستخط کر کے منتخب صدرِ مملکت کو گھر بھیج سکتا اور دوسرے کاغذ پر دستخط کر کے اپنے آپ کو صدر بنانے پر قادر تھا۔ مقنّنہ ایسی کہ وہ اپنے دفتر کی میز پر بیٹھ کر، کسی مشروب کی چسکیاں لیتے ہوئے آئین پاکستان میں من مانی ترامیم کر سکتا تھا اور عدلیہ ایسی کہ وہ اپنے غیر آئینی ''انقلاب'' کے جواز اور باوردی انتخاب کے لیے دو چیف جسٹس صاحبان سمیت ۶۶ ججوں کو گھر بھیج سکتا اور بیشتر کو بال بچوں سمیت قید میں ڈال سکتا تھا۔ بے پناہ اور بے کراں طاقت نے اس کی کمانڈ وسوچ کو دو آتشہ کر کے خناس میں بدل دیا۔ اس کی آمرانہ خُو بُو کے اندر رعونت کا ایسا بارود بھر گیا کہ طاقت آزمائی اور مُکّا زنی کو اس نے ہر مسئلے کا حل سمجھ لیا۔ وزیراعظم کو مُکّا، آئین کو مُکّا، پارلیمنٹ کو مُکّا، عدلیہ کو مُکّا، سیاسی مخالفین کو مُکّا۔ قائداعظم کے پاکستان کو اس نے باکسنگ رِنگ میں بدل دیا۔ ہاتھوں پر فولادی دستانے چڑھائے وہ تن تنہا للکارتا ''مُکّے'' لہراتا، خون کے چھینٹے اڑاتا اور قہقہے لگاتا رہا۔ ۱۸؍فروری کے انتخابات کے بعد بھی اسے یقین تھا کہ جب وہ

مُکّا لہرانے پہ آئے گا تو سلطانی جمہور کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا اور جمہوریت کا خون آلود لاشہ اس کے قدموں میں پڑا ہوگا۔

اس نے بلوچوں سے کہا ''تمہیں اس طرح ماروں گا کہ تمہیں پتا ہی نہیں چلے گا کہ کس شے نے ہٹ کیا'' اور اس نے اکبر بگٹی جیسے مرد طرحدار کو اسی طرح مار ڈالا۔ اس نے ملک کے مقبول سیاسی رہنماؤں کے بارے میں کہا ''میں انھیں کک لگاؤں گا'' اس نے صرف ایک بار آئینی تقاضے کی پاسداری کرتے ہوئے پارلیمنٹ سے خطاب کیا اور اپوزیشن کو ''مُکّے'' دکھا کے آ گیا۔ ۱۲ رمئی کو کراچی میں پچاس شہری گولیوں سے بھون ڈالے گئے اور اس نے شاہراہِ دستور پر ''مُکّے'' لہراتے ہوئے کہا ''عوامی طاقت کا مظاہرہ تھا'' اس نے فاختاؤں جیسی معصوم بچیوں کے بہیمانہ قتل کا حکم صادر کر کے اپنی ''مُکّا زنی'' کی دھاک بٹھائی اور پھر ڈھٹائی سے کہا ''ضرورت پڑی تو میں پھر یہی کچھ کروں گا۔'' اس نے بے نظیر بھٹو کو دھمکی دیتے ہوئے کہا ''آپ کی سلامتی اور سیکورٹی کا انحصار ہمارے ساتھ تعلقات پر ہے۔'' اس نے سپریم کورٹ کے واضح حکم کو حقارت سے ٹھکراتے ہوئے نواز شریف کو دوبارہ جدہ بھیج دیا۔ اس نے اس قدر بے رحمی کے ساتھ ''مُکّے'' چلائے کہ پاکستان کے انگ انگ پر نیل پڑے ہوئے ہیں اور آئین مسلسل اپنے رخسار سہلا رہا ہے۔

اس روز اسلام آباد کے آسمان پر بادل کا کوئی ہلکا سا ٹکڑا بھی نہ تھا۔ دھوپ نے اس کی نیلاہٹ میں اضافہ کر دیا تھا۔ میں گہرے پانیوں میں غرق ہونے والے ٹائی ٹینک کی دم کے آخری سرے کو ڈوبتے دیکھ رہا تھا۔ اپنی طاقت کو دائمی اور اپنے مُکّے کی ضرب کو کاری سمجھنے والا ''مردِ آہن'' خزاں کے مارے ہوئے پیلے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس کی آواز کی ساری گھن گرج کافور ہو چکی تھی۔ مُکّے برسانے والے ناتواں بازو مفلوج ہو گئے تھے۔ اس کی شعلہ بار آنکھیں آنسوؤں سے چھلک رہی تھیں اور وقت، خدا کے لہجے میں بولنے والے کی رعونت پر خاک ڈال رہا تھا۔

اس کی ایک کم نصیبی یہ رہی کہ اسے کسی بھی شعبے میں باوقار، آبرومند، ذہین، صاحبِ نظر، محترم اور معتبر ساتھی نہیں ملے۔ نقب زنوں کے ٹولے تھے جو سیاست، معیشت، عدالت، آئین، قانون، داخلی مسائل اور خارجی امور کی صورت گری کر رہے تھے۔ اس کی آخری تقریر بھی اس کے کسی ایسے ہی بے ہنر درباری کی نااہلیت کا شاہکار تھی۔ اس نے ہر شعبہ ہائے زندگی میں اپنے ''شاندار کارناموں'' کی ایک لمبی فہرست پیش کی۔ تاثر دیا کہ غریب کی ہمدردی میں اس کا سینہ شق ہونے کو ہے اور پھر دعویٰ کیا کہ اس نے پاکستان کو دنیا کا ایک باوقار اور سربلند ملک بنا دیا تھا۔ میرے ذہن میں اس کے وہ ''عظیم اقدامات'' گھوم گئے جن کے باعث پاکستان کا مرتبہ و مقام آسمانوں کو چھونے لگا تھا۔ اسی کے طفیل دنیا کو خبر ہوئی تھی کہ پاکستان ایک ایسا عظیم ملک ہے جس کا آرمی چیف نوکری بچانے کے لیے اقتدار پر قبضہ کر لیتا ہے۔ جہاں دو تہائی اکثریت رکھنے والے وزیراعظم کو صدیوں پرانے قلعے کی کال کوٹھڑی میں پھینک دیا جاتا ہے، جہاں آئین کو ردی کی ٹوکری کا رزق بنا دیا جاتا ہے، جہاں ججوں کو برطرف کر کے قید میں ڈالا جاتا ہے، جہاں پاکستانی شہریوں کو پاکستان میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا، جہاں مرضی کے فیصلوں کے لیے مرضی کی عدالتیں لگتی ہیں، جہاں ایک وردی پوش جرنیل دستور

میں من پسند ترمیمیں کرسکتا ہے، جہاں نیب کا کام سیاسی سرکس کے لیے مسخرے تلاش کرنا ہوتا ہے، جہاں چیف جسٹس آف پاکستان کو جرنیلوں کے جھرمٹ میں بٹھا کر استعفیٰ طلب کیا جاتا ہے، جہاں سیکڑوں افراد کو اٹھا لیا جاتا اور برسوں کے لیے غائب کر دیا جاتا ہے، جہاں کسی قانونی کارروائی کے بغیر لوگوں کو امریکہ کے ہاتھ بیچ دیا جاتا ہے، جہاں پاکستان کی بیٹیوں کو عالمی اوباشوں کے نرغے میں دے دیا جاتا ہے، جہاں ملک کی سلامتی کی ذمہ دار ایجنسیاں آمر وقت کے لیے سیاسی جماعتیں بناتی، ان کے امیدواروں کے انٹرویو کرتی، انھیں ٹکٹ بانٹتی اور انتخابات میں ان کی کامیابی کا اہتمام کرتی ہیں، جہاں قومی خزانہ بے مصرف دوروں پر اڑا دیا جاتا ہے جہاں چہیتوں پر واجب الادا اربوں روپے کے قرضے معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ جہاں پولیس چیف جسٹس کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتی ہے، جہاں حقائق کی تصویر کشی کرنے والے چینلز بند کر دیئے جاتے ہیں، جہاں ناپسندیدہ اینکر پرسنز پر پابندی لگا دی جاتی ہے، جہاں ملک کی آزادی، خودمختاری اور حاکمیت اعلیٰ کو غیروں کے ہاتھ رہن رکھ دیا جاتا ہے۔

اس نے پاکستان کے چہرے پر اتنی کالک تھوپ دی ہے کہ اسے دھونے کے لیے جمہوریت کے کتنے ہی شفاف دریاؤں کا پانی ناکافی ہوگا لیکن ۱۸راگست کی سہ پہر وہ ایوانِ صدر سے رخصت ہوا تو مسلح افواج نے اسے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ وفاق کی چاروں اکائیاں اس کے خلاف عدم اعتماد کر چکی تھیں۔ بیسیوں الزامات پر مشتمل مواخذے کی قرارداد پھن پھیلائے کھڑی تھی اور پاکستان کے لوگ ایسی خوشی سے سرشار تھے جیسے پاکستان آج ہی بنا ہو لیکن وہ مسلح افواج کی سلامی لے رہا تھا، صرف اس لیے کہ کبھی وہ وردی پوش جرنیل تھا۔ پاکستان کے کسی صدر کو یہ اعزاز حاصل نہ ہوا۔ فضل الٰہی چودھری، غلام اسحاق خان، فاروق لغاری اور رفیق تارڑ میں سے کوئی لائق نہ تھا۔ مقبول منتخب وزرائے اعظم کو ہمیشہ دھکے دے کر نکالا اور مقتل یا جلاوطنیوں کی نذر کر دیا گیا۔ شوکت عزیز واحد وزیراعظم تھا جسے گارڈ آف آنر پیش کر کے رخصت کیا گیا۔ یہ ہے وہ جادونگری جہاں عوام نفرتوں کی ہر علامت کو عزت وتوقیر کا مستحق سمجھا جاتا اور عوام کی مقبولیت کی ہر علامت کو ملامت بنا دیا جاتا ہے۔

آج اسے پتا چل چکا ہے کہ آخری کارگر مُکّا، صرف جمہوریت کا ہوتا ہے لیکن ابھی کہانی تمام نہیں ہوئی۔ آٹھ سال دس ماہ چھے دن تک پاکستان کو اپنے مکروہ عزائم کی شکارگاہ بنائے رکھنے اور حدوشمار سے باہر جرائم کا ارتکاب کرنے والے شخص کا محاسبہ ضروری ہے۔ وہ آخری ''مُکّا'' چلانے کے لمحے کا انتظار کرتا رہا اور نہ جان پایا کہ قدرت اسے رسوائی اور جگ ہنسائی کے عبرت ناک موڑ کی طرف دھکیل رہی ہے۔ باعزت رخصتی کے درجنوں مواقع گنوا کر وہ سلطانی جمہور کے کوڑے کھاتا ہوا رخصت ہوا لیکن پاکستان کا انگ انگ اپنے اوپر ڈھائے گئے مظالم کے لیے انصاف طلب ہے۔ اسے بازپرس کے بغیر چھوڑ دینا، جمہوریت سے غداری اور آمریت کی دلداری ہوگی۔ کیا پھانسیاں، جلاوطنیاں، قتل، کال کوٹھڑیاں، کوڑے، ضبطیاں، نااہلیاں اور کٹہرے صرف سیاست دانوں کے لیے ہیں؟

(مطبوعہ: روزنامہ ''جنگ'' ۲۰راگست ۲۰۰۸ء)

جشنِ آزادی نہیں، یومِ تجدیدِ عہد!

<u>انیف کاشر</u>

زندہ قومیں اپنے ماضی سے نظریں نہیں چراتیں۔ ۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء ہمارے ماضی کا درخشاں دن ہے۔ یہ وہ روزِ سعید ہے، جس دن ہندوستانی مسلمانوں کو ایک آزاد اور مختار خطۂ ارضی ملا۔ مسلمانانِ برصغیر کا یہی مطمحِ نظر تھا کہ انھیں ایک الگ مملکت ملے، جس میں نہ صرف وہ آزادی سے سانس لے سکیں بلکہ اپنی مذہبی، سیاسی اور سماجی زندگی کو دینِ فطرت اسلام اور پیغمبرِ اسلام نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیماتِ مقدسہ کے سانچے میں ڈھال سکیں۔ پھر یہ خطۂ ارضی ’’پاکستان‘‘ مذہبی قائدین، دینی ہستیوں، علمی، ادبی اور سیاسی مشاہیر کی شبانہ روز کاوش اور جہدِ مسلسل سے ہمیں مل گیا۔ اسی پاکستان کا ’’یومِ آزادی‘‘ ہم ہر سال ’’جشنِ آزادی‘‘ کے طور پر مناتے ہیں۔ ہم جشن مناتے ہیں آزادی کا۔ یہ جملہ ہی فکری اعتبار سے درست نہیں۔ پھر آزادی کیسی؟ جب افکار قید ہوں، خیالات غلام ہوں، تعلیم، معیشت اور سیاست غیروں کی جھولی میں ہو، جب اپنا تمدن اور اپنا تشخص اغیار کی تہذیب وثقافت کے رنگ لے کر فخر کر رہا ہو تو جشنِ آزادی کیا؟ کیا ہم آزاد ہیں، کیا ہم قوتِ فرعون کے در پردہ غلام نہیں ہیں؟ کیا پاکستان کو نقصان پہنچا کر خوش ہونے والے پاکستان میں موجود نہیں ہیں، لوٹ مار، رشوت ستانی اور ظلم کا بازار ہر طرف گرم ہے، کیا ہمارے ابّ وجد نے اسی لیے اپنی زندگیوں کو داؤ پر لگا کر ہمارے لیے علیحدہ وطن حاصل کیا؟

ہم آزاد قوم ہیں اور ۱۴؍اگست کے روز جشن مناتے ہیں۔ ٹنڈ کرا کر پاکستان کا نقشہ پینٹ کرا کر، موٹر سائیکلوں کے سائیلنسر نکال کر، وطن کے ترانے گا کر، کھوکھلی تقریروں اور جھوٹے نعروں سے، اباحت وفحاشی، رقص وسرود اور جام وسبو کی محافل کا انعقاد کر کے۔

چند برس پہلے کی بات ہے جب یہ یومِ تجدید آتا تھا تو بڑے بوڑھوں کی آنکھیں آنسوؤں کی شبنمی جھالر بننے لگتی تھیں اور جذبات سے مغلوب ہو کر اُن کے ہاتھ بے ساختہ خدائے وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں اٹھ جاتے تھے کہ جس کریم ذات نے ان کو اس ملک کی سرزمین پر قدم رکھنے کی توفیق بخشی، وہ اس وطن کو تا قیامت سلامت رکھے۔ وہ اپنے بچوں کو جمع کر کے مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے انگریز اور بنیے کے ظلم وستم کی داستانیں سناتے کہ آگ اور خون کی ہولی میں کتنے لوگ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، کتنے باپ شہید ہوئے، کتنی عورتیں اپنی عصمتیں لٹا بیٹھیں اور کتنی عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ اس غم

واندوہ کی کیفیت میں بھی وہ خدا کے حضور سجدہ ریز رہتے ۔ بچوں اور جوانوں کے حب الوطنی کے جذبے کو اجاگر کرتے ۔ انگریز اور اس کے پروردہ، خود کاشتہ پودوں سے نفرت کا بیج بوتے مگر آج ہم جشن مناتے ہیں، کیا زندہ قومیں اعضائے جسمانی کی نمائش کرتی ہوئی کٹنیوں کی مجالس میں جشن مناتی ہیں۔ جب عوام کو دووقت کی روٹی کے لالے پڑے ہوں اور خواص تھرکتی جوانیوں اور پھدکتی دوشیزاؤں کی معیت میں خم لنڈھارہے ہوں، جب سیاست کے فرعون کے ایک ہاتھ میں کسی سیمیں بدن کی کلائیاں ہوں اور دوسرے ہاتھ میں اس نے گردنِ مینا دبوچ رکھی ہو۔اور پھر جن کی ساعتیں گھنگھروؤں کی چھنکار، پائل کی صدااور قلقلِ مینا پہ لگی ہوں، جو لذتِ کام ودہن وجسم کے متوالے ہوں جن کی لڑکھڑاتی ٹانگوں، مخمور آنکھوں اور شراب کی بوا گلتے منہ سے ''جشن آزادی مبارک'' چہ معنی دارد؟

ویسے بھی یہ جشن آمروں کا دامِ تذویر اور ایک سیاسی رشوت ہے۔ ماضی کے ایک آمر ایوب خان نے بھی اپنی آمریت کا عشرہ مکمل ہونے پر ۱۹۶۸ء میں جشن ہائے رنگارنگ کا ایک رنگین سلسلہ شروع کیا تھا۔جشن چناب، جشن مہران، جشن خیبر، جشن بولان، جشن شعروادب اور اس قبیل کے کئی جشنوں کا اعلان کر کے اس نے نسل پرستی کو ہوا دی اور انگشت نمائی سے بچنے کے لیے عوام کو جشنوں پر لگا دیا۔ ربع صدی قبل جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اس دن کو محض اپنی ''ذاتی تسکین'' کے لیے ایسا رنگ دے دیا کہ قوم کی وہ کریم جو دل سے اپنے سے بڑوں کی تعظیم کرتی تھی اُسے چھچھورے پن کی طرف لگا دیا گیا اور جشن آزادی کا ڈھنڈورااس انداز سے پیٹا کہ ہر شہر، ہر گلی اور ہر محلے کی سڑکوں اور گلیوں میں شرفاء کا نکلنا دوبھر ہو گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے انھیں کئی بار لکھا کہ محترم اوّل تو یہ اصطلاح ہی غلط ہے اور پھر قوم کی کروڑوں روپے کی کمائی بسنت کی طرح ہوا میں اڑا کر کہنا کہ ''جشن آزادی مبارک'' جشن آزادی کیا ہوا، یومِ آزادی تو مبارک ہوسکتا ہے مگر یہ بات انھوں نے نشۂ حکمرانی میں نظر انداز کر دی۔ یوں متاخر حکمران بھی اسی روش پر کاربند رہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ پرویزی حلیوں کے حامل حکمران اس بدمست ہاتھی کی طرح ہوتے ہیں جو سارا سال غریبوں، بے کسوں، مجبوروں، مزدوروں، کسانوں اور دیگر انسانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑتے ہیں اور پھر اپنی ستم شعاری پر پردہ ڈالنے کے لیے قوم کو جشنوں کی راہ لے چلتے ہیں۔ ساون کے اندھے عوام کو ہر طرف ہرا ہرا ہی دکھائی دیتا ہے۔ اور تو اور یومِ آزادی کے روز چودھری برادران (پرویز الٰہی، شجاعت حسین) بھی پرویزی ایوانِ صدر کے آخری جشن کی بہتی گنگا میں ہاتھ دھو کر حیا باختہ کٹنیوں کے عریاں رقصوں کو دیکھ دیکھ کر دل جلے اور من چلے روشن خیال اور کلچرل زدہ حکمران کے ہمراہ موسیقی کے دھن میں محو ہو گئے۔ وہ بانکا صدر جسے مذہبی لوگ زہر دکھائی دیتے ہیں، اس کی نگاہ میں قلوپطراؤں اور مونالیزاؤں کے جھمگٹ میں غم غلط کرنا ایک اچھا طریقہ ہے۔ یہ طریقہ دشمنانِ مذہب وملت کی دین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہم دوسروں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم ہمارا کیا ہوگا۔ ہم تیز روی میں تنزل کی طرف جارہے ہیں۔ ہم جی حضوری کے عادی ہو گئے ہیں۔ تملّق و چاپلوسی کے بغیر ہمارے معدے میں گرانی ہوتی ہے اور روز ایک تازہ قصیدہ نئی تشبیب کے ساتھ پڑھ کر بغلیں بجاتے پھرتے ہیں اور پھر جشنِ

آزادی مناتے ہیں اور وہ بھی پاک آستان کا۔ جب کہ پاکستان کا حال یہ ہے کہ یہاں قیادت نہیں، یہاں سیاست نہیں۔ خواص قیادت کے خبط میں ہیں اور جلبِ منفعت ان کا مطمحِ نظر ہے۔ یہاں بدعنوانی، ڈاکے اور ٹھاہ ٹھاہ ہے اور مخفلیں ''تاتھک تھیا'' بنی ہوئی ہیں۔ اکسٹھ سالوں کے عرصہ میں حکمرانوں نے قوم کو کیا دیا؟ دکھ، پریشانیاں، بھوک، افلاس اور بے یقینی، غریب کو غربت میں ڈبویا اور امیر کو امارت اور عمارتیں دیں۔ روشن خیالی کے پس پردہ اسلام سے بغاوت کی اور جشن کے نام پر اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دشمنی کا اظہار کیا۔ عریانی، فحاشی، بے حیائی اور جنسی انارکی کی رَو میں سب کو بہا دیا۔ جشن منانے والو! خدارا کج روشوں پر چلنا بند کرو، کج فکری کو خیر باد کہہ دو اور فرنگی تمدن کے سیلاب کے سامنے بند باندھو، پاکستان کے سبز ہلالی پرچم کے سائے میں عہد کرو کہ ہم جشن آزادی نہیں بلکہ یومِ تجدیدِ عہد منائیں گے۔ یومِ تجدید عہد کو کھلے قہقہوں سے نہیں منایا جاتا بلکہ اس عمل میں آنسو اور مناجاتیں خود بخود آنکھوں اور ہونٹوں سے پھوٹنے لگتی ہیں۔ اکسٹھ برس بعد بھی ہم آزاد نہیں ہوئے۔ ہم اب بھی غلام ہیں، کل صرف برطانیہ کے غلام تھے، آج امریکہ، برطانیہ اور سارے مغرب کے غلام ہیں۔ ابھی آزادی کی منزل نہیں آئی، ابھی آزادی بہت دور ہے۔ آزادی، حقیقی آزادی!

قطعات

N.R.O

قوم کا مال اڑاؤ تو قباحت بھی نہیں
کچھ تاسف بھی نہیں، کوئی خجالت بھی نہیں
N R O سے دھلے جاتے ہیں اب سارے گناہ
یعنی اس دور میں توبہ کی ضرورت بھی نہیں

رحمٰن ملک

اپنی آزادی سے بی بی کے بلیدان تلک
کام اپنے تھے سبھی ذمۂ رحمانِ فلک
کیسی افتاد پڑی آ کے مری قوم کے سر
اپنے عمّال بنائے گئے رحمٰن ملک

[میجر (ر) محمد سعید اختر (ملتان)]

مسلمانو! حیاتِ جاوداں پانے کے دن آئے

عبدالرشید ارشد

شاعرِ احرار، مرحوم جانباز مرزا کے اشعار میں اُن کی روح سے معذرت کرتے ہوئے تھوڑا سا تصرف کریں تو آج کا منظر نامہ یہی کچھ سامنے لاتا ہے۔ مرحوم نے یہ اشعار ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران پڑھے تھے:

مسلمانو! حیاتِ جاوداں پانے کے دن آئے　　خدا کی راہ میں مٹ کر سنور جانے کے دن آئے
اگر دین و وطن باقی ، تمہاری آبرو باقی　　وگرنہ پھر غلامی میں الجھ جانے کے دن آئے
بھڑک اٹھے ہیں پھر سے آتشِ نمرود کے شعلے　　اُنہی کو آج ابراہیم بن کے دکھلانے کے دن آئے

آج کا نمرود بلاشک وشبہ جو شعلے بھڑکا چکا ہے اور جس طرح انھیں ہوا دے کر ہر لحہ تیز سے تیز کر رہا ہے۔ وہ کسی کی نظر سے بھی اوجھل نہیں ہیں۔ یہ شعلے افغانستان میں بھڑکائے گئے، عراق کو لپیٹ میں لیا گیا اور آج یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دروازوں کو جھلس کر، راکھ بناتے اندر آنے کے لیے بے قرار ہیں۔ آج کا نمرود امریکی صدر بش جونیئر ہے۔ جب کہ کل اس کا باپ بش سینئر تھا۔ ہر نئے آنے والے نے پہلے سے آگے قدم رکھا۔

امریکی صدر اور اس کی اسٹیبلشمنٹ کا طریقہ واردات یہ رہا ہے کہ جھوٹے الزامات تسلسل سے جاری رکھو۔ مسلسل ملاقاتوں سے حکمرانوں کو ڈراؤ دھمکاؤ اور ضمیر کی قیمت بھی لگاؤ اور پھر ایک دم اُن پر پل پڑو۔ یہ فارمولا افغانستان میں دہرایا گیا۔ اسامہ اور ملا عمر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر تباہ کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ صدام حسین پر بے تحاشا الزامات لگائے گئے، عراق میں انتہائی تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے ڈھیر بتائے گئے، ایٹم کی تیاری میں مطلوب تھیوری پکڑی گئی جو بعد میں کسی ریسرچ سکالر کا مقالہ ثابت ہوئی۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان ایٹمی قوت ہونے کے ناتے سے اسرائیل کا دشمن نمبر ایک ہے۔ جس کا برملا اظہار اسرائیلی وزیر اعظم بن گوریان نے ۱۹۶۷ء میں کیا تھا اور امریکہ چونکہ اسرائیل کا سرپرست اعلیٰ ہے یا صحیح معنوں میں زر خرید غلام ہے کہ مالی بحران میں اسرائیلی/صہیونی سرمایہ اس کا سہارا بنتا ہے۔ اس لیے افغانستان کو بہانہ بناتے، وہ پاکستان پر دانت تیز کیے بیٹھا ہے اور ہماری بصیرت کا دیوالیہ پن کہ ہم اُسے ''جگری یار'' کا درجہ دیئے ہوئے ہیں۔ اور اس کے ''گاجر اور چھڑی'' کے فلسفے کو سمجھنا نہیں چاہتے۔

آج امریکی اسٹیبلشمنٹ ہر دوستی کے دعوے کو بالائے طاق رکھتے، فوجی کارروائی کی نوید سناتے ہیں اور پاکستانی اسٹیبلشمنٹ بھیڑیئے کے سامنے بھیڑ کے بچے کی طرح منمناتے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے دیکھی جارہی ہے۔ وزیر دفاع کا بیان کہ ۳۰ ہزار فٹ کی بلندی سے ہونے والے حملوں کے سامنے ہم بے بس ہیں، انتہائی شرمناک ہے۔ امریکہ کے ماضی کو دیکھتے ہم نے بہت پہلے اپنے حکمرانوں اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ:

''امریکہ کے اس ''درخشاں طوطا چشم'' ماضی کو دیکھتے ہوئے اگر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صاحبِ بصیرت افراد اپنی سرکار کو یہ کہیں کہ مستقبل قریب میں آپ بھی اپنے جگری یار امریکہ کے فرینڈلی فائر کا ٹارگٹ بننے والے ہیں تو ان کو بے عقل کا طعنہ دیا جاتا ہے......اگر دو اور دو چار کی زبان میں ہم اپنا نقطۂ نظر حکومت کے سامنے رکھنا چاہیں تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ کی نکیل یہود کے ہاتھوں میں ہے۔ امریکہ محض غلام ہے۔ جس سے لیے جانے والے کام کی تمام تر تفصیلات صیہونیوں نے طے کر رکھی ہیں اور یہود کے نزدیک دنیا میں پاکستان ہی اُن کا دشمن نمبر ایک ہے۔ اگر ہم یہ دونوں باتیں ثابت کردیں تو یہ سمجھ لینے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی کہ اور کوئی ہو نہ ہو عراق کے بعد ''سب سے پہلے پاکستان'' ضرور ہے۔'' (آخری صلیبی جنگ، حصہ چہارم، مضمون محررہ، ۳۱/مارچ ۲۰۰۳ء)

پاکستان ایک عرصے سے فرینڈلی فائر کی زد میں ہے بالواسطہ بھی اور بلاواسطہ بھی۔ یہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

۳۱/مارچ ۲۰۰۳ء کو اپنے اخبارات و جرائد کے لیے لکھے گئے اس مضمون بہ عنوان ''فرینڈلی فائر کا اگلا ٹارگٹ کون؟'' ''کیا امریکہ کے نزدیک پاکستان برائی کا محور ہے؟'' میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ:

''اگر پاکستان کی اعلیٰ قیادت نے اجتماعی خودکشی کا فیصلہ نہیں کیا ہے تو آنکھیں کھول کر ایسے عملی اقدامات کرنے کی منصوبہ بندی کرکے قوم کو پیش آمدہ حالات سے متعلق اعتماد میں لینا چاہیے۔ الہ دین کا کوئی چراغ ایسا نہیں ہے جو عین موقع پر رگڑ کر مصائب و مشکلات پر قابو پالیا جائے۔ تیاری میں وقت لگتا ہے......دشمن کو دشمن جان لینے میں سُبکی کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ Know the enemy کہنے والے یقیناً تجربہ کار، باشعور اور صاحبانِ فہم و فراست تھے۔ امن کی تسبیح کا ایک لاکھ ورد کرنے پر بھی امن نہیں ملتا نہ ہی اس سے دشمن کی فطرت بدلتی ہے۔''

''آخری بات یہ کہ پاکستانی قیادت کے ''جگری یار'' بش کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ فوج کشی کرکے ''بدنامی'' مول لے۔ بش یہ کام اپنے فوجی حلیف بھارت سے بھی لے سکتا ہے اور افغانستان کے کرزئی سے بھی۔ جس نے پاکستان کو سینڈوچ بنانے کی خاطر دونوں سے قیمتی روابط قائم کر رکھے ہیں۔''

(آخری صلیبی جنگ چہارم، ص: ۱۷۶)

پاکستان کو بدی کا محور ثابت کرنے کے لیے یہود کی بلا معاوضہ خدمات حاضر ہیں کہ وہ ہر قیمت ادا کرکے ملتِ اسلامیہ کے خلاف الزامات اور ''شہادتیں'' تخلیق کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے یہ مختصر اقتباس:

''ہمارے سامنے لوئس مارشل کا نظریہ ہے کہ ''صہیونیت کے منصوبے کی تکمیل کے لیے ایک وقوعہ مطلوب ہوتا ہے۔ یہ وقوعہ انتہائی مؤثر ہتھیار لٹکانے والا کھونٹا ہے۔'' (Pawns in the Game, Pg:88)

افغانستان پر منصوبے کی تکمیل کے لیے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کا مطلوبہ وقوعہ تخلیق کیا گیا۔ عراق پر صدام کے ''مظالم سے نجات'' تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا وقوعہ سامنے لایا گیا اور پاکستان پر فرینڈلی فائر کے لیے کابل میں بھارتی سفارت خانے پر آئی ایس آئی کا حملہ گھڑ لیا گیا۔ قبائلی علاقوں میں ملا عمر اور اسامہ بن لادن کی موجودگی، طالبان کا دوبارہ منظّم ہونا، پاکستانی طالبان کا افغانستان میں نیٹو افواج کو نقصان پہنچانا اور مستقبل میں امریکہ و یورپ کو نائن الیون طرز کے حملوں کا خطرہ پایا جانا، پاکستان کے بدی کا محور ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور امریکہ کا حق ہے کہ جہاں سے اُسے عالمی امن کے خطرہ کی بو آئے وہاں وہ ہر اخلاقی اور بین الاقوامی ضابطے کو پامال کر کے حملے کر دے۔

عالمی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کی فرنٹ لائن سٹیٹ خطیر رقم لینے کے باوجود ڈالر دینے والوں کی توقعات پر پوری نہیں اُتری، اس لیے امریکہ کے لیے ناگزیر ہو گیا ہے کہ وہ کچھ کرے۔ یہ ''کچھ'' کیا ہے؟ بھارت سے کہہ کر سرحدی چھیڑ چھاڑ شروع کروائے جو چند ہفتوں سے شروع ہے۔ ثانیاً افغانستان کے کرزئی کو آگے بڑھائے، پہلے الزامات لگیں پھر بارڈر پر کارروائی ہو اور اتحادی افواج ''بہ امر مجبوری'' کرزئی حکومت کی مدد کو لپکتے پاکستان کے قبائلی علاقوں کو فرینڈلی فائر کی زد میں لے آئیں۔ ثالثاً پاکستان کے مختلف طبقات میں ضمیر کی قیمت لگاتے میر جعفر و صادق پیدا کریں جو ایک طرف مسلمانوں کی صفوں میں مذہبی، علاقائی، لسانی انتشار پیدا کریں تو دوسری طرف قومی مورال کو گھُن لگائیں کہ سپر پاور کے منہ نہیں لگنا چاہیے ورنہ پتھر کا زمانہ پہلے سے پاکستانی قوم کا منتظر ہے۔ یہ ہے صورت حال۔

امریکی حکومت ایک طرف تو پاکستان کے خلاف جارحیت کا عندیہ ظاہر کر رہی ہے جس میں اُسے کوئی جھجک، کوئی شرم و حیا محسوس نہیں ہوتا اور دوسری طرف پاکستان کو دی جانے والی تین گنا زیادہ امداد کا ''مژدہ'' سنا رہی ہے۔ یہ ہے چھڑی اور گاجر Carrot and stick کا کھیل۔

ہماری مذکورہ گزارشات اور خدشات کسی ظنّ و تخمین کی بنیاد پر نہیں ہیں بلکہ ملکی و غیر ملکی میڈیا پکار پکار کر اس کی تائید کر رہا ہے۔ وزیر اعظم پاکستان خود اعلان فرما رہے ہیں کہ ایک اور نائن الیون سامنے کھڑا آنکھیں دکھا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے چند خبریں اور اداریئے:

- ☆ ''فاٹا میں غیر ملکیوں کی موجودگی سے ایک اور نائن الیون کا خطرہ ہے۔'' (وزیر اعظم: ''نوائے وقت'' ۱۵ر جولائی)
- ☆ ''افغانستان میں حالیہ حملوں کے ذمہ دار پاکستانی انٹیلی جنس ادارے ہیں۔'' (کرزئی: ''نوائے وقت'' ۱۵ر جولائی)
- ☆ ''ہیلی کاپٹروں، ٹینکوں، توپوں اور جدید اسلحہ سے لیس اتحادی فوج کی پاکستانی سرحد کے قریب نقل و حرکت میں اضافہ۔'' (''نوائے وقت'' ۱۶ر جولائی)

☆ ''القاعدہ پاکستان میں مضبوط ہورہی ہے صرف بغداد نہیں کراچی پر بھی توجہ دوں گا۔'' (بارک اوباما)
(امریکی صدارتی امیدوار کا عزم کہ وہ کراچی کو بھی نشانہ بنائے گا) (''نوائے وقت'' ۱۶؍جولائی)

۱۶؍جولائی کے ''نوائے وقت'' کے اداریہ میں بڑی وضاحت اور دردمندی سے حالات کا تجزیہ کرتے کہا گیا ہے کہ:

> ''......افغانستان اور بھارت نے پاکستان کو بدنام اور علاقائی سیاست میں غیر موثر کرنے کے لیے روزِ اوّل سے یہ حکمتِ عملی اختیار کی ہے کہ وہ اس کے قبائلی علاقوں کو دہشت گردوں اور انتہاپسندوں کی نرسری قرار دے کر امریکہ و یورپ کو ڈراتے رہتے ہیں اور اس کے عوض مخصوص مفادات حاصل کرنے میں مصروف ہیں......وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کے اعتراف کے بعد جنگ کا خطرہ پاکستان کی سرحدوں پر منڈلا رہا ہے جسے موجودہ حکومت اپنی بے تدبیری سے مزید قریب قریب لا رہی ہے۔ حالانکہ نائن الیون میں پاکستان کسی بھی طرح ملوث نہ تھا اور نہ ہی اب تک امریکہ یہ ثابت کر سکا کہ افغانستان اس میں ملوث تھا۔''

پاکستان کے ساتھ امریکہ کا رویہ اس عقلمند چور سے بہت زیادہ مماثلت رکھتا ہے جو گھر میں چوری کی واردات کو روکنے والے کتے کے لیے کسی گائے بھینس کے سینگ میں قیمہ بھر کر لے آتا ہے اور کتے کے بھونکنے سے پہلے ہی اس کے سامنے قیمہ بھرا سینگ پھینک دیتا۔ محافظ کتا قیمہ سینگ سے نکالنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور چور اپنے مشن میں کہ اب اُسے کوئی خطرہ باقی نہ رہتا۔ پاکستان نے جس روز سے فرنٹ لائن سٹیٹ کا اعزاز پانے کا عزم کرتے امریکہ کے سامنے سجدہ کیا، اسی روز سے قیمہ بھرا سینگ اسے بصورت ''امریکی امداد'' مل گیا۔ حکمران اور اُن کی اسٹیبلشمنٹ سینگ سے قیمہ نکال کر انجوائے کرنے میں مصروف ہے تو امریکی اتحادی جاسوس طیارے، ہیلی کاپٹر پاک فوج کے جوانوں اور سویلین قبائل کا لہو پینے میں مصروف ہیں۔

حکومتِ پاکستان اپنے جوانوں کی ہلاکتوں پر احتجاج کرتی ہے پھر شدید احتجاج کرتی ہے اور وہ اپنے ''کام'' میں مصروف ہیں کہ حمیت و غیرت سے عاری احتجاج اُن کی فطرت نہیں بدل سکتا۔ اس احتجاج اور ڈھنائی پر یہ حکایت پوری طرح فٹ بیٹھتی ہے کہ کس گلی میں ایک اُجڈ پنجابی رہتا تھا تو اس کا ہمسایہ اردو بولنے والا تھا جس کی زبان خوب چلتی تھی۔ ایک روز دونوں گھروں کے بچے کسی بات پر اُلجھ پڑے۔ پنجابی بچے کا ہاتھ چلا تو دوسرے کی زبان چلی۔ شور سن کر پٹنے والے بچے کا بھائی باہر نکلا تو وہ کہنے لگا کہ مجھے تو مارا ہے میرے بھائی کو مار کے دیکھ۔ بھائی آگے بڑھا تو اس نے اُسے بھی دو ہاتھ دیئے۔ شور بڑھا تو باپ نکلا۔ لڑکے نے پھر کہا کہ میرے بھائی کو تو مارا ہے میرے باپ کو مار کے دیکھ۔ اب کے مار سالے، غرض باپ پِٹ گیا۔ ہم پِٹ رہے ہیں اور بیان بازی کر رہے ہیں کہ ''اب کے مار''۔ شاید یہ صورتِ حال اس وقت تک قائم رہے گی جب تک کہ سامنے پڑی ہڈی سے سارا قیمہ کھایا نہیں جاتا۔

اہلِ وطن کے لیے اب صرف حیاتِ جاوداں پانے کے لیے لپکنے کا آخری موقع ہے۔ اگر امریکی جارحیت کا آغاز ہوتا ہے تو ہر مسلمان پر جہاد بھی فرض ہو جاتا ہے۔

ترقی کا اسلامی معیار

ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے احسن تقویم پر بنایا ہے اور اسے اوصاف عالیہ سے نوازا ہے۔ اسے زندگی کی اعلیٰ اخلاقی اقدار کا علم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے خیر وشر میں تمیز کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ اسے علم الاسماء عطا کیا گیا ہے جس سے وہ کائنات کے سربستہ رازوں کا کشف کرتا ہے اور انھیں اپنی تہذیب وتمدن کے فروغ کے لیے استعمال کرتا ہے۔ امتحانی طور پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو نفس بھی دیا ہے۔ خود، خودغرض ہوتا ہے اور خودسر بھی۔ وہ ساری خیر اور بھلائیاں اپنے لیے ہی سمیٹنا اور جمع کرنا چاہتا ہے۔ انسانی نفس میں ہونے والی یہ سچائی اور جھوٹ، حق وباطل، خیر وشر، اچھائی برائی کی یہ جنگ ازل سے جاری ہے اور جاری رہے گی، لیکن انسانیت نے سفلی جذبات کے مقابلے میں ہمیشہ اقدارِ عالیہ پر یقین رکھا ہے اور ہم مسلمانوں کا یہ ایمان ہے کہ انسانی زندگی کی استواری، فلاح اور ترقی درحقیقت ان عالی اقدار پر ہی ہوتی ہے۔ یہ کوئی وہمی بات یا خیالی پلاؤ نہیں بلکہ ہمیشہ سے قائم شدہ مسلمہ اصول ہے۔

زندگی کی ابتداء سے لے کر آج تک زندگی کے اندھیرے سے اندھیرے ماحول میں بھی لوگوں کی اعلیٰ ظرفی، بلند ہمتی، سماجی اور انسانی خدمت کے مظاہر میں پائی جاتی رہی ہے۔ کائنات کی عمر تو اللہ خالقِ کائنات ہی جانتے ہیں مگر انسانیت ہزاروں سال سے ترقی کرتی رہی ہے۔ اس کے معیار اور تہذیب کی بلندی کے مظاہر برابر بلند ہوتے رہے اور ثقافت وتمدن آگے بڑھتے رہے اور اس کے نئے نئے معیار وجود میں آتے رہے۔ اس دوران تمام ادوار کے انسانوں نے انسانی اقدار اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے اللہ کے رسولوں کے ذریعے اللہ جل شانہ کا پیغام سنا۔ سب سے آخر میں سرورِ دوعالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم انسانیت کو وہ آخری اور ابدی پیغام دیا جس نے دین کو مکمل کر دیا۔ انسان کو اس کا مقصدِ تخلیق بتایا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے عبادات کا نظام، معاملات کا سلیقہ، معاشرت کے اطوار، اخلاقیات کا وطیرہ اور سیاسیات کے معیاری اصول وقواعد سے آگاہ کیا۔ اس آفاقی پیغام کو امت نے برضاء ورغبت سنا اور قبول کیا اور اس پر عمل کرنے کی سعی وجدوجہد کی اور ایک ایسے معاشرے کی تشکیل وتنظیم کی کہ جس میں لوگ اللہ کے دیئے ہوئے نظام کے مطابق اپنے انفرادی اور اجتماعی یا گروہی اختلاف کے باوجود انسانی اخوت، مساوات، بھائی چارے، صلہ رحمی اور ایثار کے ایک ایسے رشتے میں بندھ گئے۔ جہاں ہر شخص دوسرے کے مفاد کو اپنے مفاد سے برتر سمجھتا تھا۔ مال دار اپنی

دولت و ثروت میں غرباء اور مساکین کو شریک کرتے تھے اور ان پر احسان نہیں جتلاتے تھے۔ غریب امیر سب ایک دوسرے کا ان کے کردار اور تقویٰ کی بنیاد پر احترام کرتے تھے۔ اسلامی معاشرے میں لوگ حسب و نسب، رنگ و روپ، زبان و علاقہ، طبقاتی اختلاف اور دولت کی تقسیم کی بنیاد پر چھوٹے بڑے نہیں سمجھے جاتے تھے بلکہ انسانیت نوازی، حسن اخلاق، مروت اور انکساری کی بنیاد پر بڑے سمجھے جاتے تھے۔

تہذیب کے اس موجودہ دور میں تو ان انسانی اقدارِ عالیہ کی ضرورت اور بھی زیادہ ہے۔ اگر ہم ان اقدار کی پروا نہ کریں یا انھیں پستی کی علامت سمجھیں تو اپنی سائنسی اور علمی ترقی کے باوجود پستی اور گراوٹ کے اندھیرے گڑے میں جا پڑیں گے۔ انسان نے بڑی بڑی معرکۃ الآراء ایجاد کرلیں۔ دنیا کو گلوبل ویلج بنا دیا۔ چاند کا سفر کرلیا۔ مریخ کی طرف جانے کی تیاری ہے لیکن اگر اسلامی اقدار اور انسانیت کی صفات سے عاری ہوں تو ہم بے سکون، غیر مطمئن اور اطمینانِ قلب کی نعمت سے محروم ہیں۔ یہ خام خیالی کہ آدمی نے سائنسی ترقی کرلی ہے اور ایجادات و اختراعات سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے تو یہ انسان کی ترقی ہرگز نہیں ہے۔ کیوں کہ سائنسی ترقی کے باوجود آج کا انسان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہیں کر رہا ہے بلکہ مادرِ فطرت (Mother Nature) کا ناخلف بیٹا بن کر رہ گیا ہے۔

اب اسے اخلاقی اقدار کا پاس نہیں، جنسی انارکی کو وہ جائز سمجھتا ہے۔ اخلاقی اقدار کا منکر ہے اور انھیں غیر ضروری سمجھتا ہے۔ اس سائنسی ترقی کے باوجود یہ حضرتِ انسان بے چین ہے۔ آج کی نام نہاد مہذب اور متمدن دنیا میں جس قدر قتل و غارت، لوٹ مار، عصمت و عفت کے تصورات کی بے حرمتی، لواطت، لیسبیئن ازم، بے راہ روی، منشیات اور ہر گندے سے گندے ترکام کی آزادی حاصل ہے۔ آج سے پہلے تک اس کا تصور بھی ناممکن تھا مگر ان تمام مادر پدر آزادیوں کے باوجود جس قدر نفسیاتی انتشار، دماغی امراض، جذباتی ہلچل اور یاسیت و قنوطیت آج عام ہے۔ وہ پہلے کبھی نہ تھی اور مشرق جہاں اخلاقی اقدار کا کچھ احترام باقی تھا اسے مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کہیں جدت پسندی اور کہیں روشن خیالی کا راگ الاپ کر معاشرے کو اُسی ڈگر پر ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

امریکہ میں آج بھی نسل پرستی کے مظاہر عام ہیں، کالے امریکی گورے امریکیوں کی نفرت کا شکار ہیں۔ کیا یہی ترقی کے مظاہر ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ترقی کے اس نام نہاد دور میں انسانیت دبتی جا رہی ہے اور انسان حیوانیت کے چولہے میں ابھر رہا ہے۔ انسان اپنی انفرادی ذات میں مرکوز ہوتا جا رہا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کا غلام ہے اور اپنی آرزوؤں کا بندہ۔ کیا واقعی یہ ترقی ہے، یہ تو سراسر انسانیت کی پستی ہے۔

صورتِ واقعہ یہ ہے کہ آج ترقی پسند انسان صرف اور صرف مادی مفادات پر یقین رکھتا ہے۔ مغرب کے خاص حالات نے انھیں چنگیزیت کی طرف مائل کر دیا ہے۔ وہ اپنے ذرا ذرا سے فائدے کے لیے کمزور اقوام کو آپس میں لڑاتے اور پھر تصفیہ کے لیے دوڑ کر وہاں جاتے اور کہانی کے اس بندر کی طرح جس نے روٹی کے ایک ٹکڑے پر جھگڑنے والی بلیوں

کا تصفیہ کرنے کے بہانے ساری روٹی خود ہڑپ کرلی تھی۔ وہ اقوام کو اپنا زیرنگیں اور دستِ نگر بنا لیتے ہیں۔ آج کم وبیش سارے مسلمان ممالک اسی معنیٰ میں مغرب کے غلام ہیں۔

ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ جب مسلمانوں کو اسلام کی حقانیت پر پورا یقین تھا اور وہ اسلامی نظام پر پوری طرح عامل تھے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرنے والے تھے تو انھیں زندگی کے ہر میدان میں سبقت اور برتری حاصل تھی۔ وہ سیاسیات، اقتصادیات اور معاشیات کے ماہر تھے۔ علم وہنر اور فن میں سب سے آگے تھے۔ سائنسی ایجادات واکتشافات میں حیرت انگیز کارنامے سرنجام دیتے تھے۔ سیاست میں کھرے اور جنگ میں مشّاق تھے اور چہار دانگ عالم میں ان کا طوطی بولتا تھا۔

یہ مغرب جو آج مسلمانوں کا مربی، رہنما اور مختار بن گیا ہے، وہ چند صدی قبل مسلمان علماء اور مسلمان سیاست دانوں کا شاگرد رہا ہے۔ کیوں کہ اقدارِ عالیہ مادی اور سائنسی ترقی میں رکاوٹ نہیں بنتیں بلکہ چونکہ توحید کا تصور دلوں سے مظاہر فطرت کا خوف نکال دیتا ہے۔ اس لیے مسلمان ان پیچیدہ مظاہر فطرت کو پہچاننے کے لیے کوشاں رہتے تھے اور سائنسی ایجادات سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

روشن خیال لوگ یہ کہتے ہیں کہ عالم گیر اخلاقی اقدار پر ایمان لانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پھر اونٹوں اور خچروں کے دور میں لوٹ جائیں اور موجودہ جدید سائنس کی ایجاد کردہ سہولتوں سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ یہ ایک زبردست غلط فہمی ہے، جسے دور ہونا چاہیے۔ اخلاقی اقدار کو اپنانے کا مطلب یہ کبھی بھی اور قطعاً نہیں ہے کہ ہمیں پھر کسی صحرائی زندگی کی طرف لوٹ جانا ہوگا۔ جہاں نہ ہوائی جہاز ہوں گے نہ کمپیوٹر اور نہ ہی انٹرنیٹ اور نہ ہی جدید سہولتیں۔ نہیں ایسا قطعاً نہیں ہے جس زمانے میں مسلمان طبیعات، کیمسٹری، ریاضی، نجوم وفلکیات اور سمندروں پر تخصصات کر رہے تھے تو انھوں نے اپنے اخلاق وکردار اور حسنِ معاملات کو بالائے طاق تو نہیں رکھ دیا تھا بلکہ حسنِ اخلاق اور حسنِ عمل کی وہ مثالیں قائم کی تھیں جو آج بھی پڑھنے والوں کے لیے مسرت وتحسین کا باعث بنتی ہیں۔ اس لیے اقدارِ عالیہ کے ماننے اور مادی ترقی کو اخلاقی ترقی کا پابند رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم کاروں اور ہوائی جہازوں پر سفر نہ کریں یا فلکیات پر ریسرچ نہ کریں یا سٹیلائٹ نہ بنائیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم انسانی آبادیوں کو تباہ کرنے والے ہتھیار اور انسانی عظمت ووقار کو مجروح کرنے والی چیزوں کو اخلاقی اقدار کا پابند بنائیں۔

مختصر یہ کہ امورِ خیر اور اقدارِ عالیہ خود انسان کے لاشعور میں موجود ہیں۔ انھیں صرف لاشعور سے شعور میں لانے کی ضرورت ہے۔ یہ کام ذات باری تعالیٰ پر ایمان، رسالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آخرت پسندی کے شعور سے ہی ہوسکتا ہے اور صرف یہی ترقی وعروج کا اسلامی معیار ہے۔

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ......ایک استعمار دُشمن شخصیت

ڈاکٹر محمد عمر فاروق

جیسا کہ آج امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور ہے۔ بالکل اسی طرح ۱۹۴۷ء تک دنیا بھر میں برطانیہ کے جبروت کا طوطی بولتا تھا۔ برطانوی سلطنت کی وسعت کے پیشِ نظر کہا جاتا تھا کہ اُس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ یعنی اگر اُس کی نوآبادیات کے ایک حصہ میں سورج غروب ہوتا تھا تو دوسرے علاقہ میں دن نکل رہا ہوتا تھا۔ برطانیہ نے بھی آزادی پسندوں کو جبر و اِستبداد اور دَرندگی اور سفاکی کے ہتھکنڈوں سے بالکل اُسی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہا، جیسے کہ آج امریکی استعمار دہشت گردی کا لیبل لگا کر مسلمانوں کی جان و اِیمان کے درپے ہے، لیکن چشمِ فلک نے یہ انوکھا نظارہ حیرت و اِستعجاب کی نظروں سے دیکھا کہ حریت مآب دیوانوں کی قربانیوں کی بدولت فرنگی استعمار کو کہ جس کی زمین پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا، ہندوستان آزاد کرنا پڑا اور برطانیہ آج اپنے ہی ملک میں سورج کی ایک ایک کرن کو ترستا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو کچلنے کے بعد برطانوی استعمار ہندوستان کے تخت پر بلاشرکتِ غیر براجمان ہوا اور اُس نے تحریکِ آزادی میں شریک علما، مجاہدین، طلبا اور عام شہریوں کو لاکھوں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اُتارا۔ قید و نظر بندی اور ظلم و درِندگی کے شرمناک مظاہروں کے ذریعہ اَنگریز نے ہندوستانی عوام پر اَپنی دہشت و فرعونیت کی دھاک بٹھا دی، لیکن اِن عذاب لمحوں میں بھی بچے کھچے غیرت مند ہندوستانی مجاہدوں نے برطانوی حاکمیت کے آگے سرنگوں ہونے سے انکار کیا اور اَپنے خون سے آزادی کے گُل ہوتے چراغوں کو رَوشن رکھا۔ حضرت امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ اُنھی عزم و ہمت کے پالے مجاہدینِ آزادی کے باغیرت جانشین تھے۔ جنھوں نے ہندوستان کی دھرتی پر اَنگریز کے تسلط کو مسترد کرتے ہوئے اِنِ الحکم الا اللہ کا نعرۂ رستاخیز بلند کیا اور اِس پُرعزیمت راہ میں ہر صعوبت و آزمائش کو جھیلنے کا عزمِ نو کیا۔

حیرت ہوتی ہے کہ سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے نہتے اور بے وسیلہ مجاہدین آخر کس مٹی سے بنے تھے! کہ وہ انگریزی استبداد کے مصائب و آلام، دار و رَسن اور ظلم و سفاکی کے مناظر اَپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور اَپنی ناتواں جانوں پر ظلم کا ہر وَار سہہ رہے تھے، مگر آزادئ وطن کی خاطر کسی بھی آزمائش کو لبیک کہنے سے باز نہ آتے تھے۔ جبکہ آج تمام تر وسائل اور اَیٹمی قوت رکھنے کے باوجود ہمارے قومی رہنما اور مسندِ اقتدار پر براجمان شخصیات امریکہ کے سامنے تھر تھر کانپتے دکھائی دیتے ہیں۔ دراصل قومی غیرت اور دینی حمیت ہی قوموں کو سر اُٹھا کر جینے کا شعور دِیا کرتی ہے۔ جس کی موجودگی میں بڑی سے بڑی طاغوتی

قوتیں خاکِ راہ ہوجاتی ہیں۔یہی وہ جوہرِ ایمانی تھا،جس نے سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے غیور مجاہدِ آزادی میں بے خوفی ودَلیری اور جرأت وبہادری جیسی انمول صفات پیدا کیں اور وہ سلطنتِ برطانیہ کے خلاف سینہ تان کر کھڑے ہوگئے۔

واقعہ جلیانوالہ باغ (۱۹۱۹ء) سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سیاسی زندگی کا نقطہ آغاز ثابت ہوا۔سفاک جنرل ڈائر نے جب سینکڑوں بے گناہ ہندوستانیوں کے سینے گولیوں سے چھلنی کر دیے تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے دل میں حکومت برطانیہ کے متعلق نفرت کے شدید جذبات پیدا ہوگئے۔رہی سہی کسر ترکی کے مسلمانوں پر انگریز کی وحشت وبہیمیت نے نکال دی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہندوستان کے صفِ اوّل کے رہنماؤں کے ہمراہ تحریک خلافت کے برگ وبار اُٹھانے میں مصروف ہوگئے۔برطانوی استعمار کی اِس مخالفت میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے دینی اصولوں کو بنیاد بنایا۔وہ بجاطور پر انگریز کی اِسلام اور مسلمانوں کا دشمن سمجھتے تھے،کیونکہ وہ انگریزوں کی اسلام کے خلاف سازشوں کا اِدراک اور مسلمانوں پر پے درپے خنجر آزمائی کا بچشم خود مشاہدہ کر چکے تھے۔تحریک خلافت کے دوران سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ہندوستان بھر میں برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکا دی۔مثلاً صرف ضلع گجرات میں ہی انھوں نے تنِ تنہا پانچ سو خلافت کمیٹیاں قائم کر کے پورے ضلع کو آتشِ جوالہ بنا کر رکھ دیا تھا۔۱۸۵۷ء کے معرکہ کے بعد تحریک خلافت ہی وہ ملک گیر احتجاجی سلسلہ تھا،جس نے ہندوستانیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا اور اُن کے رگ وپے سے غیر ملکی حکمرانوں کا رُعب ودَبدبہ نکال کر رکھ دیا۔جس میں بنیادی کردار سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کا تھا جو ہماری ملّی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

۳رستمبر ۱۹۳۹ء کو جنگِ عظیم دوم کا آغاز ہوا تو ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتیں انگریز سے تعاون یا اُس کی مخالفت کرنے کے بارے میں اُس وقت تک کسی فیصلہ پر پہنچ نہ پائی تھیں،لیکن سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی جماعت مجلس احرار اسلام ہندوستان میں واحد سیاسی جماعت تھی،جس نے معروف انگریز مصنف ڈبلیو سی سمتھ کے الفاظ میں ''اِس جنگ کو سامراجی جنگ قرار دیتے ہوئے اِس کے خلاف پہلی آواز بلند کی۔'' اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قیادت میں تحریک فوجی بھرتی بائیکاٹ کے اجرا کا اعلان کیا اور اَحرار کے کوہ ہمت رہنما وکارکن ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے جیلوں کو آباد کرنے لگے۔مجلس احرار نے فوجی بھرتی کی مخالفت میں ملک کے دیگر علاقوں کے ساتھ ساتھ پنجاب کو بالخصوص اپنی جنگ مخالف سرگرمیوں کا مرکز بنالیا تھا۔پنجاب انگریزوں کے لیے ''بازوئے شمشیر زن'' کا دَرجہ رکھتا تھا اور سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کے بقول: ''پنجاب کے بعض اضلاع کی مائیں فرنگیوں کے لیے ہی بچے جنا کرتی تھیں۔'' یہی صورت حال دیگر صوبوں میں بھی کم وبیش موجود تھی۔بہرحال غلامی کے خمیر میں گُندھے ہوئے اِس خطّہ میں انگریز کی مخالفت کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا،لیکن سید عطا اللہ شاہ بخاری اور اُن کے رفقاء نے آزادئ ہند کے لیے جان کی بازی لگادی،کیونکہ اُن کے نزدیک ہندوستان کی آزادی سے برطانیہ کے لیے اپنی نوآبادیات پر زیادہ دیر تک قبضہ برقرار رکھنا ممکن نہ رہ سکتا تھا،جس سے جزیرۃ العرب کا آزاد ہونا یقینی تھا۔لہٰذا اُنھوں نے اپنی تمام تر قوت ہندوستان کی آزادی کے لیے جھونک ڈالی۔اپریل ۱۹۳۹ء کو پشاور میں آل انڈیا پولیٹیکل احرار کانفرنس منعقد کی گئی۔جس میں مجلس احرار کے بانی رہنما

اور مفکر چودھری افضل حق مرحوم نے جنگ عظیم دوم کے چھڑنے کی پیشگوئی کی تھی اور انگریز پر کاری ضرب لگانے کے لیے اپنی مستقبل کی پالیسی کا اعلان کیا تھا۔ اِسی کانفرنس میں طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق ہی جنگ شروع ہونے کے صرف ایک ہفتہ بعد مجلس احرار اسلام کی مجلس عاملہ نے انگریز کو فوجی بھرتی نہ دینے کی تاریخی قرارداد منظور کی تھی۔ اِس قرارداد کی روشنی میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور اُن کے عظیم رفقائے کار نے ہندوستان کے ہر مقام کے دورے کرنے کے علاوہ پنجاب کے فوجی بھرتی کے حامل اہم اضلاع سرگودھا، گجرات، جہلم، اٹک، میانوالی، راولپنڈی وغیرہ میں اپنی تقاریر میں فوجی بھرتی نہ دینے کا درس دیا۔ جس کے نتیجہ میں دورہ کے اختتام پر انگریز اور اُس کے کاسہ لیس سر سکندر حیات کی یونینیسٹ حکومت نے بوکھلا کر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو گرفتار کر کے اُن پر رعایا کو حکومت کے خلاف بغاوت پر اُکسانے کا کیس دائر کر دیا۔ جس کی سزا پھانسی سے کم نہ تھی، لیکن حکومتی مشینری کی تمام تر پشت پناہی کے باوجود سی آئی ڈی کے سرکاری رپورٹر لدھا رام کی صاف گوئی نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے حق میں پانسا پلٹ دیا اور وہ ۷/ جون ۱۹۴۰ء کو باعزت بری ہو گئے۔ اِس موقع پر جرمنی کے مختلف شہروں میں ہوائی جہاز کے ذریعے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تصاویر گرائی گئیں۔ جن پر تحریر تھا کہ ہندوستان کا سب سے بڑا باغی جسے برطانوی حکومت پھانسی پر لٹکانا چاہتی تھی، وہ باعزت بری ہو گیا ہے۔

غرض یہ کہ سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے انگریزی استبداد کی جڑوں کو کاٹنے والی ہر تحریک میں ہراول دستہ کا کردار ادا کیا اور اُنھوں نے خود بھی دسیوں تحریکیں چلائیں۔ اللہ نے اُنھیں خطابت کا بے تاج بادشاہ بنایا تھا اور اُنھوں نے اپنی اِس خداداد صلاحیت کے ذریعہ ہندوستان کے لاکھوں افراد کے قلوب و اذہان سے انگریزی حاکمیت کا خوف کھرچ ڈالا اور اُنھیں آزادی کے مفہوم و معنیٰ سے آشنا کر کے عملاً اُنھیں تحریک آزادی میں شمولیت پر آمادہ کیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی انگریزی استعمار سے نفرت کا یہ عالم تھا کہ نجی محفل ہو یا اجتماعِ عام، اُن کے ''لعنت بر پدرِ فرنگ'' کے نعرۂ رستاخیز سے در و دیوار کانپ اٹھتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے:

''میں اُن سؤروں کا ریوڑ چرانے کو بھی تیار ہوں جو برٹش امپیریلزم کی کھیتی کو وِیران کرنا چاہیں۔ میں کچھ نہیں چاہتا۔ میں ایک فقیر ہوں۔ اپنے نانا کی سنت پر کٹ مرنا چاہتا ہوں اور اگر کچھ چاہتا ہوں تو اِس ملک سے انگریز کا انخلا۔ میری دو ہی خواہشیں ہیں: میری زندگی میں یہ ملک آزاد ہو جائے یا پھر میں تختہءدار پر لٹکا دیا جاؤں۔ میں اُن علمائے حق کا پرچم لیے پھرتا ہوں جو ۱۸۵۷ء میں فرنگیوں کی تیغِ بے نیام کا شکار ہوئے تھے۔ ربِ ذوالجلال کی قسم! مجھے اِس کی کچھ پروا نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے؟ وہ شروع سے تماشائی ہیں اور تماشا دیکھنے کے عادی۔

میں اِس سرزمین میں مجدد الف ثانی کا سپاہی ہوں۔ شاہ ولی اللہ اور خاندانِ ولی اللّٰہی کا مبلّغ ہوں۔ سیّد احمد شہید کا نام لیوا اور شاہ اسمٰعیل شہید کی جرأت کا پانی دیوا ہوں۔ اُن پانچ مقدمہ ہائے سازش کے پابہ زنجیر علمائے امت کے لشکر کا ایک خدمت گزار ہوں جنھیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں۔ ہاں! ہاں! میں اُنھیں کی نشانی

ہوں۔ اُنھی کی بازگشت ہوں۔ میری رگوں میں خون نہیں، آگ دوڑتی ہے۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ قاسم نانوتوی کا علم لے کر نکلا ہوں۔ میں نے شیخ الہند کے نقشِ قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ میں زندگی بھر اسی راہ پر چلتا رہا ہوں اور اِسی راہ پر چلتا رہوں گا۔ میرا اِس کے سوا کوئی مؤقف نہیں۔ میرا ایک ہی نصب العین ہے۔ برطانوی سامراج کو کفنانا یا دفنانا۔“

اللہ تعالیٰ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قربانیوں کا صلہ اُن کو دنیا میں بھی دیا کہ انھوں نے انگریز کو ملک چھوڑتے دیکھا اور ہندوستان ۱۹۴۷ء کو فرنگی کے پنجۂ استبداد سے آزاد ہو گیا۔ ہندوستانی عوام نے غلامی کے منحوس سائے چھٹ جانے کے بعد آزاد فضاؤں میں سانس لیا۔ احرار رہنماؤں کی نگاہِ بصیرت کے عین مطابق ہندوستان کی آزادی کے بعد برطانیہ کی اپنے مقبوضات پر سے گرفت ڈھیلی پڑتی گئی اور ایک ایک کر کے اسلامی ممالک آزاد ہوتے گئے۔ اگر ہندوستان آزاد نہ ہوتا تو عالم اسلام کی آزادی کا دور جانے کتنا طویل ہو جاتا! بلاشبہ یہ کارنامہ ہندوستان کی حریت پسند جماعتوں اور بالخصوص احرار کے قائد امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے زعماء کے سر ہے۔ جنھوں نے غلامی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں حریتِ فکر و عمل کے چراغ روشن کیے۔

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری جن کٹھن حالات میں انگریزی استعمار سے نبرد آزما ہوئے۔ اُن جانگسل حالات کے تصور سے ہی دل بیٹھ جاتا ہے۔ عہدِ حاضر میں مسلمان جن پُر آشوب حالات میں مبتلا ہیں اور جس طرح امریکی چیرہ دستیوں کے نرغے میں آئے ہوئے ہیں۔ اِس صورت حال میں ہمارے رہنما اور حکمران امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف ڈٹ جانے کی بجائے جس کوتاہ ہمتی اور بزدلی کے ساتھ امریکہ پر ہی تکیہ کرتے ہوئے اُس کی فرعونیت کے آگے جھکتے جا رہے ہیں اور قوم کو اَندھیروں کی منزل کا راہی بنا رہے ہیں، اِسے دیکھتے ہوئے سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے مردِ مجاہد کی یاد تڑپا کر رکھ دیتی ہے۔ جنھوں نے موجودہ حالات سے کئی گنا بدتر حالات میں بھی برٹش امپیریلزم کا جی داروں کی طرح مقابلہ کر کے اُسے ہندوستان سے چلتا کیا تھا۔ آج سے پینسٹھ برس قبل امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنے صاحبزادے حضرت مولانا سیّد ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جو حسب ذیل نصیحت فرمائی تھی، اُسے آج بھی پیش نظر رکھتے ہوئے ملک کے استحکام، تعمیر و ترقی اور قوم کی تربیت کی بنیادیں استوار کی جا سکتی ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے فرمایا تھا کہ:

”میں نے پوری دنیا کی تاریخ اور حالات پر غور کیا ہے۔ مجھے تاریخِ انسانیت میں خدا، رسولؐ، امتِ رسول اور پوری دنیا کے سچے مسلمانوں کا فرنگی سے بڑھ کر اَور اُس سے بدتر کوئی دشمن نظر نہیں آیا۔ فرنگی یا اُس کا کوئی دوست غلافِ کعبہ کا لباس پہن کر اَور چوبیس گھنٹے زم زم سے غسل کر کے، باوضو اَور مطہر رہنے والا بھی، اِس شکل میں تمھارے پاس آئے، اگر میرے تخم میں سے ہو اَور حلالی ہو تو اُس پر کبھی اعتماد نہ کرنا۔ تم نہیں جانتے: عدواللہ، عدوالرسول، عدوالقرآن، عدوالمسلمین، عدوالاسلام والدّین فرنگی سے بڑھ کر نہ کائنات میں ہوا، نہ اب ہے، نہ آئندہ کبھی ہوگا۔“

جو چٹانوں میں راہ کرتے ہیں منزلیں اُن کو راہ دیتی ہیں
اہلِ ہمت کے آشیانوں کو بجلیاں پناہ دیتی ہیں

مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

راوی: مولانا عبدالرشید اسلام پوری حفظہ اللہ

ناقل: مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ

دارالعلوم تقویۃ الاسلام (لاہور) کے ناظم و مہتمم حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ نہایت زیرک، انتہائی فہیم، دور اندیش، فصاحت و بلاغت کے امام اور اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے والے تھے۔ قعدہ کی شکل اختیار کر کے ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوجاتے تھے۔ دارالعلوم کی بالائی منزل میں سکونت پذیر تھے۔ تہجد کے وقت خوفِ خدا سے ان کے رونے کی آواز نیچے اقامتی طلبا کو سنائی دیتی تھی۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے منتخب امیر تھے اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔

ایک دفعہ مؤطا امام مالک طلباء کو پڑھا رہے تھے کہ ضلع لاہور کے ڈپٹی کمشنر ملاقات کے لیے آئے اور خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ درس سے فراغت کے بعد سلام دعا ہوئی تو مولانا نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھا رہا تھا۔ حدیث کی عظمت کے پیش نظر دورانِ تدریس آپ سے بات نہ کرسکا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نہایت خوش ہوئے۔

مولانا صاحب نے کبھی ننگے سر نماز نہیں پڑھی، بلکہ ان کی طرف سے دارالعلوم میں اعلان تھا کہ کوئی معلم یا متعلم ننگے سر نماز نہ پڑھے۔ دارالعلوم میں امامت کے لیے کسی کو مقرر فرما دیتے تھے۔ خود نماز نہ پڑھاتے تھے۔ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ان کے معمولات میں شامل تھا۔ (بشکریہ ''الاعتصام'' ۶ رشعبان ۱۴۲۹ھ/ ۸ تا ۱۴ راگست ۲۰۰۸ء)

علماء حق کا ترجمان
المیزان
ناشران و تاجرانِ کتب
دینی، تاریخی، سیاسی، ادبی اور اصلاحی کتابوں کا معیاری ادارہ
دینی مدارس کے طلباء کے لیے وفاق المدارس کا تمام نصاب سب سے زیادہ رعایتی قیمت پر
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 042-7122981-7212762

قادیانیوں کی نئی چال

مولانا زاہدالراشدی

امریکہ میں ان دنوں قادیانیوں کی دعوتی مہم پورے عروج پر ہے۔ یہاں سے شائع ہونے والے پاکستانی اردو اخبارات میں قادیانی اجتماعات کی رپورٹوں اور قادیانی رہنماؤں کے بیانات کے علاوہ ان کی طرف سے اشتہارات کے ذریعے بھی مسلمانوں کو قادیانی جماعت میں شامل ہونے کی دعوت وترغیب دی جارہی ہے اور اس کے لیے ان کی تکنیک وہی ہے کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ کرنے والے عقائد اور تعلیمات کو پس منظر میں رکھتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی کی ایسی تحریرات کو لوگوں کے سامنے لایا جارہا ہے کہ جن میں مسلمانوں کے عقائد کے ساتھ ان کی ہم آہنگی نظر آتی ہے اور اس طرح قادیانی تعلیمات اور قادیانی امت کے کردار سے بے خبر مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ مسلم علماء کرام قادیانیوں کی طرف جن عقائد کی نسبت کرتے ہیں اور جن کی بنیاد پر قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک غیر مسلم گروہ قرار دیا جاتا ہے وہ محض اختراء اور بہتان ہے اور قادیانیوں کے وہ عقائد نہیں ہیں، اس کے بعد یہ بات لوگوں کے ذہنوں میں ڈالی جاتی ہے کہ پاکستان میں قادیانیوں کو ''غیر مسلم اقلیت'' قرار دینے کا جو دستوری فیصلہ ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی نے کیا تھا وہ درست نہیں ہے۔ اس کے ذریعے قادیانیوں کو زیادتی کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ان کے مذہبی اور شہری حقوق پامال کیے جارہے ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے دو اخباری اشتہار ہیں جو ہفت روزہ ''پاکستان ایکسپریس'' نیویارک یکم اگست ۲۰۰۸ء کی اشاعت میں اور ہفت روزہ ''نیویارک عوام'' نیویارک کے ۱۱؍ جولائی تا ۱۷؍ جولائی ۲۰۰۸ء کے شمارے میں شائع ہوئے ہیں، دونوں پورے صفحے کے اشتہار ہیں اور ان میں مرزا غلام احمد قادیانی کی ایسی عبارتیں پیش کی گئی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ وہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی مانتے ہیں، عقیدۂ ختم نبوت پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کو آخری اور ناقابل ترمیم وتنسیخ کتاب سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو جماعت مؤمنین سے خارج اور ملحد اور کافر قرار دیتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے الفاظ میں اس عقیدہ کے اظہار کے بعد ایک خالی الذہن عام قاری کا ذہن یہی بنے گا کہ قادیانیوں کو خواہ مخواہ ختم نبوت کا منکر قرار دیا جاتا ہے اور انھیں غیر مسلموں کے دائرے میں شامل کرنا ان کے ساتھ سراسر زیادتی ہے لیکن یہ مسلسل فریب کاری کی قادیانی تکنیک ہے جس سے علماء کرام اور تحریک ختم نبوت کے رہنماؤں نے عام مسلمانوں کو ہر دور میں تفصیل کے ساتھ آگاہ کیا ہے اور اب چونکہ ایسی کسی عمومی مہم کو خاصا عرصہ گزر جانے

کے باعث یہ تفصیلات لوگوں کے ذہنوں میں نہیں ہیں، اس لیے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ اس فریب کاری کو عوامی سطح پر بے نقاب کرنے کی ایک بار پھر مہم چلائی جائے اور نئی نسل کو بتایا جائے کہ قادیانیوں کے اصل عقائد اور ان کا کردار کیا ہے؟ انھیں کن وجوہ کی بنا پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا اور کون سے اسباب وعوامل ہیں جن کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمان قادیانیوں کو ملتِ اسلامیہ کا حصہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں؟ اس کے لیے تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والی جماعتوں اور اداروں کو سنجیدگی کے ساتھ توجہ دینی چاہیے اور باہمی مشاورت اور منصوبہ بندی کے ساتھ منظم محنت کرنی چاہیے۔

سرِ دست ان دو اشتہارات کو سامنے رکھتے ہوئے صرف اس پہلو پر ہم کچھ گزارشات پیش کر رہے ہیں۔ کیا مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پیروکاروں کا عقیدۂ ختم نبوت پر ایمان ہے؟ اور کیا واقعتاً وہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئی وحی اور نئی نبوت کے دعوے کو کفر تصور کرتے ہیں؟ یہ بات درست ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ابتدائی دور میں عقائد وہی تھے جو عام مسلمانوں کے تھے جیسا کہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ان کی طرف سے شائع ہونے والے ایک مطبوعہ اعلان میں جو ان کی تصنیف تبلیغ رسالت کے حصہ دوم میں موجود ہے، مرزا صاحب نے کہا تھا کہ:

> ''میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن وحدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا ومولانا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں، میرا یقین ہے کہ وحی رسالت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔''

لیکن بعد میں مرزا صاحب کے عقائد تبدیل ہوگئے جس کا اعتراف ان کے فرزند مرزا بشیر الدین محمود نے قادیانی جریدہ ''الفضل'' میں ۶ رستمبر ۱۹۴۱ء کو شائع ہونے والے اپنے خطبۂ جمعہ میں ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

> ''نبوت اور حیاتِ مسیح کے متعلق آپ کا عقیدہ پہلے عام مسلمانوں کی طرح تھا مگر پھر دونوں میں تبدیلی فرمائی گئی۔''

بلکہ مرزا صاحب کی کتاب ''انجام آتھم'' ۷/۶۷ میں اس تبدیلی کا یوں ذکر کیا گیا ہے کہ:

> '' پہلے صرف توریت، انجیل، زبور، قرآن شریف اور دوسرے صحف پر ایمان لانا ضروری تھا اور ایسا ایمان لانے والا ابدی راحت کا مستحق تھا لیکن مرزا صاحب کی شریعت نے اس فیصلے کو منسوخ کر دیا اور اب یہ حکم ہوگیا کہ مرزا صاحب کی وحی پر ایمان لانا بھی فرض ہے جس طرح قرآن شریف پر اور دوسری کتابوں پر اور ایسا ایمان نہ لانے والا جہنمی ہے۔''

اپنی کتاب ''حقیقۃ الوحی'' شائع شدہ ۱۹۰۷ء میں صفحہ ۱۵۰ کے حاشیہ پر مرزا صاحب خود لکھتے ہیں کہ:

> ''اوائل میں میرا عقیدہ یہی تھا کہ مجھ کو مسیح بن مریم سے کیا نسبت ہے اور وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے اور اگر کوئی میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا ہے تو میں اس کو ایک جزوی فضیلت قرار دیتا مگر بعد میں خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدے پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔''

مرزا صاحب کا کہنا ہے کہ وہ وحی کے نزول کے بعد نبوت اور مسیحیت دونوں کے بارے میں اپنے سابقہ عقیدے پر قائم نہ رہے اور مرزا بشیر الدین محمود کے جس خطبۂ جمعہ کا روزنامہ ''الفضل'' کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا گیا ہے اس میں بھی انھوں نے یہ کہا ہے کہ:

''دعوائے مسیحیت کی بابت تبدیلی جبراً بذریعہ وحی ہوئی اور نبوت کے متعلق بھی سابقہ عقیدہ میں وحی کے ذریعے تبدیلیاں کی گئیں۔''

وحی کے بارے میں مرزا غلام احمد قادیانی کا کہنا ہے کہ جو ''تبلیغ رسالت'' ۱۰/ ۱۸ میں مذکور ہے کہ:

''جیسا کہ قرآن شریف کی آیات پر ایمان رکھتا ہوں۔ ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی کھلی وحی پر بھی ایمان لاتا ہوں جو مجھے ہوئی۔''

اسی بنیاد پر مرزا قادیانی نے دعویٰ کیا ہے کہ:

''ہر اس شخص کی جسے میری دعوت پہنچی اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔'' (بحوالہ ''حقیقۃ الوحی'': ۱۶۳)

مرزا بشیر الدین محمود نے جو مرزا قادیانی کے فرزند اور قادیانیوں کے دوسرے خلیفہ تھے اس پر قناعت نہیں کی بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر اعلان کیا کہ:

''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انھوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرے عقائد ہیں۔'' (بحوالہ آئینہ صداقت: ۳۵)

مرزا بشیر الدین محمود کے فرزند مرزا ناصر احمد جو قادیانیوں کے چوتھے خلیفہ کہلاتے ہیں، جب ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی کے سامنے پیش ہوئے اور گیارہ روز تک اپنے موقف اور پوزیشن کی وضاحت میں ارکان اسمبلی کے سوالات کے جوابات دیتے رہے، قومی اسمبلی کے فلور پر اس وقت کے اٹارنی جنرل آف پاکستان جناب یحییٰ بختیار مرحوم کے سوالات پر انھوں نے صراحت کے ساتھ کہا کہ وہ نجات اور ایمان کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان لانے کو ضروری سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک دنیا بھر کے وہ تمام مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہیں جو مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت اور وحی پر ایمان نہیں رکھتے۔

چنانچہ ان کے اس صریح اور دوٹوک اعلان کے بعد قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کیا اور دستورِ پاکستان میں ترمیم کر کے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیتوں میں شامل کر دیا۔ قادیانی جماعت کی موجودہ قیادت اپنے حالیہ بیانات کے حوالہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کی ابتدائی زندگی والی پوزیشن پر واپس جانا چاہتی ہے اور ان کے ۱۸۹۱ء والے اعلان کے مطابق اہل سنت والجماعت کے مسلم عقائد کو قبول کرتی ہے تو یہ ہمارے لیے بے حد خوشی کی بات ہوگی لیکن اس کے لیے قادیانی رہنماؤں کو ان تمام تبدیلیوں کی صراحتاً نفی کرنا ہوگی اور ان سے برأت کا اعلان کرنا ہوگا جن کا سطور بالا میں باحوالہ ذکر کیا گیا ہے ورنہ اپنے سابقہ اور منسوخ شدہ عقائد و بیانات کی بنیاد پر اپنی موجودہ پوزیشن کو مسلمانوں کو تسلیم کرانے کی یہ مہم دھوکہ دہی اور فریب کاری کے علاوہ اور کوئی درجہ حاصل نہیں کر سکے گی۔

آخری قسط

قادیانیوں کا صد سالہ جشن......حقیقت کے آئینے میں

پروفیسر خالد شبیر احمد

''الفضل'' قادیان تحریر کرتا ہے:

''اس وقت کابل نے گورنمنٹ انگریزی سے جنگ شروع کر دی ہے۔ احمدیوں کا یہ فرض ہے کہ گورنمنٹ کی خدمت کریں، کیونکہ گورنمنٹ کی اطاعت ہمارا فرض ہے۔ افغانستان کی جنگ احمدیوں کے لیے ایک نئی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ کابل وہ زمین ہے جہاں ہمارے قیمتی وجود مارے گئے اور ظلم سے مارے گئے اور بے سبب اور بلاوجہ مارے گئے، پس کابل وہ جگہ ہے جہاں احمدیت کی تبلیغ منع ہے اور اس پر صداقت کے دروازے بند ہیں۔ اس لیے صداقت کے قیام کے لیے گورنمنٹ کی فوج میں شامل ہو کر ان ظالمانہ رکاوٹوں کو رفع کرنے کے لیے گورنمنٹ کی مدد کرنا احمدیوں کا مذہبی فریضہ ہے پس کوشش کرو تمہارے ذریعے وہ شاخیں پیدا ہوں جس کی حضرت مسیح موعود نے اطلاع دی ہے۔'' (الفضل قادیان ۲۷ مئی ۱۹۱۹ء)

لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند کی خدمت میں پیش کیے جانے والے ایڈریس میں قادیانیوں نے جنگ کابل کے دوران اپنی خدماتِ جلیلہ کے متعلق کہا:

''جب کابل کے ساتھ جنگ ہوئی تب ہماری جماعت نے اپنی طاقت سے بڑھ کر مدد دی، اور علاوہ اور قسم کی خدمات کے ایک ڈبل کمپنی پیش کی جس کی بھرتی جنگ بند ہونے کی وجہ سے رُک گئی ورنہ ایک ہزار سے زائد آدمی اس کے لیے نام لکھوا چکے تھے اور خود ہمارے سلسلہ کے بانی کے چھوٹے بھائی نے خدمات پیش کیں اور چھ ماہ تک ''ٹرانسپورٹ کور'' میں آنریری طور پر کام کرتے رہے۔'' (الفضل قادیان ۴؍جولائی ۱۹۲۱ء)

....

۱۹۲۰ء میں قادیانیوں نے افغانستان کے روس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم ہونے کے بعد سازشوں کا ایک نیا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان کارروائیوں کی ایک وجہ یہ تھی کہ افغانستان کی فوج کو ترکی جرنیل اور سابق اوسی شام جمال پاشا ترتیب دے رہے تھے۔ جنگ عظیم اوّل کے بعد یورپ میں کارل ایڈک نے ان کی ملاقات امیر امان اللہ سے کرائی۔ جنھوں نے آپ کو ملازم رکھ لیا تاکہ افغان فوج کو جدید طریقوں پر تیار کریں۔ ۱۹۲۰ء میں تاشقند میں نظر بند ترکی افسران سے ملاقات کر کے آپ نے ایک جماعت بنائی اور افغانستان میں فوجی انسپکٹر جنرل کا عہدہ سنبھالا۔ قادیانیوں نے ان کو خطوط لکھے کہ افغانستان میں ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ اگرچہ وزیر خارجہ افغانستان قادیانیوں کو یقین دہانی کرا چکے تھے کہ ان کو بلاوجہ تنگ نہیں کیا

جائے گا۔لیکن بعض علاقوں میں قادیانیوں نے بدستور سازشیں کیں ۔ بدنام برطانوی جاسوس عبدالکریم کے خوست میں بدامنی پھیلانے میں قادیانیوں نے اس کی پشت پناہی کی ۔ یہ شخص بعد میں ہندوستان بھاگ آیا۔انگریزوں نے اسے سیاسی پناہ دے دی ۔ دریں اثنا مرزا محمود نے نعمت اللہ قادیانی کو قادیان سے تربیت دے کر کابل روانہ کیا جہاں وہ کچھ عرصہ بعد تخریب کاری کے جرم میں گرفتار ہوگیا اور اپنے مشن کو کامیابی سے ہم کنار نہ کر سکا۔'' (اسرائیل سے قادیان تک ۔از ابومدثرہ ملتان ۔ص ۸۸،۸۹،۹۰)

افغان حکمران اور قادیانیت

عبدالرحمٰن قادیانی کا قتل (۱۹۰۱ء)

افغانستان کے ساتھ قادیانیوں کی نفرت اس حقیقت پر مبنی ہے کہ وہاں ان کے کئی مبلغ سنگسار کر دیے گئے تھے۔ ۱۹۰۱ء میں عبدالرحمٰن قادیانی کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔اس قادیانی کو خصوصی ہدایات کے ساتھ قادیان سے کابل بھیجا گیا تھا۔جس میں سب سے اہم ہدایت افغانیوں میں جذبۂ جہاد کو ختم کرنا سرفہرست تھا۔اس وقت ہندوستان کی انگریز حکومت اور افغانستان کے تعلقات انتہائی کشیدہ ہو چکے تھے اور افغان باشندوں میں جذبہ جہاد اپنے عروج پر تھا۔ افغان علماء دن رات ایک کر کے افغانیوں میں جذبۂ جہاد عام کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔بعض افغانی سرحد عبور کر کے پشاور، بنوں اور کوہاٹ میں زیر زمین کارروائیوں میں کئی انگریز افسروں کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ایسی صورت میں قادیانی انگریزوں کی مدد کے لیے میدانِ عمل میں اترے۔ اور سب سے پہلا قادیانی مبلغ عبدالرحمٰن افغانستان میں انگریزوں کے حق میں جذبۂ جہاد کے خلاف مرزا غلام احمد قادیانی کے خیالات کی نشر و اشاعت کرتے ہوئے پکڑا گیا اور کیفر کردار کو پہنچا۔اس کے قتل کی کہانی تاریخ احمدیت جلد سوم مؤلفہ دوست محمد شاہد، صفحہ ۱۸۴ پر درج ہے۔

عبداللطیف قادیانی کا رجم (جولائی ۱۹۰۳ء):

عبداللطیف قادیانی دوسرا قادیانی مبلغ تھا جو امیر حبیب اللہ والیٔ افغانستان کے عہد میں سنگسار کیا گیا۔اس پر بھی انگریزوں کی جاسوسی اور قادیانی عقائد کے مطابق جہاد کے بارے میں خلافِ اسلام نظریات کے پرچار کے الزامات ثابت ہوئے ۔صاحبزادہ عبداللطیف ایک مرتبہ بذاتِ خود قادیان پہنچ کر مرزا غلام احمد کی زیارت سے بھی بزعم خود مشرف ہو چکا تھا ایک عرصہ اس کے پاس قادیان میں رہ کر واپس افغانستان پہنچا جس کے بعد حکومتِ افغانستان نے اُسے گرفتار کر کے سنگسار کروا دیا۔اس ساری کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبزادہ عبداللطیف کے مرزا غلام احمد کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے۔اور قادیان میں ان سے ملاقات بھی بعض خصوصی ہدایات کی غرض سے تھی۔افغانستان واپس جا کر جب وہ مرزا کے احکامات کی روشنی میں مصروفِ کار رہا تو فوراً افغانستان حکومت حرکت میں آئی اور اس نے صاحبزادہ عبداللطیف قادیانی کو بھی مولوی عبدالرحمٰن کی طرح موت کے گھاٹ اتار دیا۔اس قادیانی مبلغ کے رجم کے بارے میں جو بات سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے وہ یہ کہ اس رجم میں امیر افغانستان

امیر حبیب اللہ نے بذاتِ خود خاصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اس کے رجم کی کہانی تاریخ احمدیت میں اس طرح تحریر کی گئی ہے۔

''واقعہ یوں ہوا کہ صاحبزادہ عبداللطیف آخر ۱۹۰۲ء نومبر میں حج بیت اللہ کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہوئے۔ امیر حبیب اللہ خان نے انعام و اکرام سے رخصت کیا۔ آپ قابل سے خوست اور وہاں سے لاہور ہوتے ہوئے قادیان تشریف لائے۔ حضرت صاحبزادہ کے ساتھ مولوی عبدالجلیل، مولوی سید عبدالستار اور ایک اور عالم بھی تھے۔ جن کو وزیروں کا مولوی کہا جاتا تھا۔ سید عبدالستار کا بیان ہے کہ مولوی عبداللطیف پیدل ہی بٹالہ سے قادیان روانہ ہوئے۔ حضرت صاحبزادہ امیر کابل سے چھ ماہ کی رخصت لے کر آئے تھے۔ جب روانگی کا وقت آیا تو صاحبزادہ نے حضرت مسیح موعود سے رخصت ہونے کی اجازت مانگی تو حضور نے فرمایا آپ کو دوسرے سال حج کے لیے جانا ہے۔ تو آپ یہیں ٹھہر جائیں مگر انھوں نے کہا کہ حج کے لیے پھر آجاؤں گا۔ آخر حضور نے ان کے اصرار پہ دوچار دن کے بعد انہیں اجازت دے دی۔ جب صاحبزادہ روانہ ہوئے تو حضور اور حضور کے خدّام احمد نور کابلی کے بیان کے مطابق وڈالہ کی نہر تک چھوڑنے کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ غالباً آخر جنوری ۱۹۰۳ء کا واقع ہے۔ صاحبزادہ رخصت ہونے لگے تو آپ جوشِ عقیدت سے حضرت اقدس کے پاؤں پر گر پڑے اور دونوں ہاتھوں سے حضور کے قدم مبارک پکڑ لیے اور عرض کیا کہ میرے لیے دعا فرمائیں تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ اچھا میں آپ کے لیے دعا کرتا ہوں، آپ میرے پاؤں چھوڑ دیں۔ انھوں نے پاؤں نہ چھوڑنے پر اصرار کیا۔'' (تاریخ احمدیت جلد سوئم مؤلفہ دوست محمد شاہد ص ۳۳۲)

مندرجہ بالا تحریر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولوی عبداللطیف قادیانی 'افغانستان میں ملازم تھا اور مرزا غلام احمد سے انتہائی عقیدت رکھتا تھا۔ وہ حکومتِ افغانستان سے چھ ماہ کی رخصت برائے حج لے کر حج کی بجائے قادیان چلا آیا اور یہاں مرزا غلام احمد کے پاس رہ کر افغانستان میں کام کرنے کا لائحہ عمل تیار کیا اور واپس روانہ ہوا۔ تحریر سے واضح ہوتا ہے چونکہ مرزا غلام احمد نے ایک اہم کام اس کے سپرد کر دیا تھا اس لیے اس کی دلجوئی کے لیے اس کی توقع سے زیادہ پذیرائی ہوئی کہ خود اس کو رخصت کرنے کے لیے مرزا غلام احمد دو تین میل پیدل اس کے ہمراہ گیا اور اسے خصوصی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ شومئ قسمت یہ دعائیں قبول نہ ہوئیں۔ صاحبزادہ عبداللطیف کے رجم کا واقعہ بھی تاریخ احمدیت میں درج ہے جس سے امیر حبیب اللہ والئ افغانستان کی دین سے وابستگی اور دینی جذبہ کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔

''تب امیر نے قاضی کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ کہ تم نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ قاضی نے کہا کہ آپ بادشاہِ وقت ہیں آپ پہلا پتھر چلائیں۔ تب امیر حبیب اللہ نے کہا کہ شریعت کے تم ہی بادشاہ ہو اور تمہارا ہی فتویٰ ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں تب قاضی نے گھوڑے سے اتر کر ایک پتھر چلایا۔ جس پتھر سے شہید مرحوم کو زخم کاری لگا اور گردن جھک گئی۔ پھر بعد اس کے بدنصیب امیر حبیب اللہ نے اپنے ہاتھ سے پتھر چلایا۔ پھر کیا تھا اس کی پیروی میں ہزاروں پتھر اس شہید پر پڑنے لگے اور کوئی حاضرین میں سے ایسا نہ تھا جس نے شہید پر پتھر نہ پھینکا ہو، یہاں تک کہ کثرتِ پتھر سے شہید کے سر پر ایک کوٹھا پتھروں کا جمع ہو گیا پھر امیر نے واپس ہوتے وقت کہا کہ یہ شخص کہتا تھا کہ میں چھ روز تک زندہ ہو جاؤں گا اس پر چھ روز تک پہرہ رہنا چاہیے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ظلم یعنی سنگسار کرنا ۱۴ر جولائی کو وقوع پذیر ہوا۔''

ملا عبدالحلیم اور ملا نور علی کا قتل:

تیسرا واقعہ جس سے انگریزوں کے حق میں قادیانیوں کی جاسوسی پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے افغانستان میں دو قادیانیوں کا قتل ہے، جس کی داستان خود قادیانی تحریروں میں موجود ہے۔

''افغانستان کے وزیر داخلہ نے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا ہے۔ کابل کے دو اشخاص عبدالحلیم چہار آسانی اور ملا نور علی دکاندار قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ جمہوریہ نے ان کی حرکت سے مشتعل ہوکر ان کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرم ثابت ہوکر عوام کے ہاتھوں پنج شنبہ ۱۱ر رجب کو عدم آباد پہنچائے گئے ان کے خلاف مدت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا اور مملکتِ افغانیہ کے مصالح کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے پائے گئے۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ بک چکے تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل مزید تفتیش کے بعد شائع کی جائے گی۔ اخبار امان افغانستان (۱)

اس کے علاوہ نعمت علی قادیانی کا رجم ۱۹۲۴ء اور ولی داد خان کا قتل ۱۹۳۹ء کی داستان اگلی قسط میں بیان کی جائے گی۔ آخر میں جو اہم بات ہم قارئین تک پہنچانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ پوری تحریر جو آپ اس مضمون میں پڑھ چکے ہیں اس بات کی ایک بیّن دلیل ہے کہ قادیانیت کی پوری تاریخ باری تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف صریحاً بغاوت ہے کہ

''یہود و نصاریٰ کبھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے جب تمہیں صدمہ پہنچتا ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں اور جب تمہیں خوشی حاصل ہوتی ہے تو یہ رنجیدہ ہوتے ہیں۔''

یہ پچھلے ایک سو سال سے فقط انگریزوں کی جاسوسی اور جہاد کے خلاف مسلم ممالک کے اندر ایک منظم اور مستحکم منصوبہ بندی کے تحت کام کرتے نظر آتے ہیں۔ آج بھی یہ سفلہ صفت ٹولہ برطانوی اور امریکی سامراج کی خوشنودی اور یہودیوں کی فلاح کی خاطر وہی خدمات سرانجام دے رہا ہے، جو ان کا محبوب فریضہ بن چکا ہے۔ ان کے ناپاک دامن میں سوائے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے، اُن کی جاسوسی کرنے جہاد کے خلاف مہم چلانے کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اس بات کا یہ اعتراف ہی نہیں کرتے بلکہ اس پر فخر بھی کرتے ہیں اور اس کے باوجود مسلمان کہلانے پر بضد ہیں۔

دراصل یہ جشن صد سالہ اسلام اور اہل اسلام کی خدمات کا نہیں بلکہ خلاف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی جانی و مالی قربانیوں کا جشن ہے۔ جس کا ذکر آپ اوپر پڑھ چکے ہیں اور آئندہ قسطوں میں بھی ان شاء اللہ پڑھ لیں گے۔ اور اس جشن کا صرف اور صرف ایک ہی مقصد ہے کہ یہود و نصاریٰ کے اور زیادہ قریب ہوکر ان کی مالی معاونت سے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا سکیں جو انھیں کسی طور بھی مسلمان تسلیم نہیں کرتے اور ان کے خلاف صف آرا ہیں اور آئندہ بھی صف آرا رہیں گے:

(۱) اخبار الفضل قادیان جلد ۱۲ نمبر ۹۶ مورخہ مارچ ۱۹۲۵ء

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ ابولہبی

احرار اور قادیانیت:

قادیانیت پر پچھلی قسطوں میں جو کچھ نذرِ قارئین کیا گیا ہے اُس کا خلاصہ یہی ہے کہ یہ تخریبی تحریک انگریزوں کے ایماء پر مرزا غلام قادیانی کی جہاد دشمنی سے بھری پڑی ہے۔ بلادِ اسلامیہ میں قادیانیوں نے جس جانفشانی سے انگریزوں کی جاسوسی اور جہاد کی مخالفت پر جتنا زور صرف کیا ہے۔ اس کی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ اگر اس ساری کوشش اور کاوش کو پیش نظر رکھا جائے تو اسے برملا طور پر اسلام کے خلاف بغاوت قرار دیا جاسکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے تو واضح طور پر قادیانیت کو اسلام اور ہندوستان دونوں کا غدار قرار دیا تھا۔ اس موضوع پر اسلامی دنیا کے نامور سکالر مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف ''قادیانیت'' میں اسلام سے ان کی غداری کی داستان کو اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''ان تعلیمات اور اس عقیدہ اور تبلیغ کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ انگریزی حکومت کی وفاداری اور اخلاص اور اس کی خدمت کا جذبہ قادیانی جماعت کے ذہن اور اس کی سیرت اور اخلاق کا ایک جز بن گیا اور انگریزی حکومت کو اس جماعت میں ایسے مخلص خادم اور ایسے مستعد رضا کار ہاتھ آئے جنھوں نے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر حکومت کی گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور اس کی خاطر اپنا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔
>
> افغانستان میں عبداللطیف قادیانیت کا ایک پُر جوش داعی تھا جو جہاد کی برملا تردید کرتا تھا۔ وہ افغان قوم کے اُس جذبۂ جہاد کو فنا کرنے کے درپیش تھا۔ جس نے کبھی اس ملک پر کسی غیر مسلم فاتح یا حکمران کے قدم جمنے نہیں دیئے اور جو انگریزی حکومت کو ہمیشہ پریشان کرتا رہا ہے اسی بنا پر حکومتِ افغانستان نے اس کو قتل کر دیا۔ مرزا بشیر الدین محمود نے خود ایک اطالوی مصنف کی کتاب کے حوالے سے ذکر کیا ہے:
>
> ''اطالوی مصنف لکھتا ہے کہ صاحبزادہ عبداللطیف کو اس وجہ سے شہید کیا گیا کہ وہ جہاد کے خلاف تعلیم دیتے تھے اور حکومتِ افغانستان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اس سے افغانوں کا جذبۂ حریت کمزور پڑ جائے گا اور اس پر انگریزوں کا اقتدار چھا جائے گا۔'' (''الفضل'' ۶ راگست ۱۹۲۵ء)

اسی خطبے میں وہ مزید ارشاد فرماتے ہیں:

> ''اگر ہمارے آدمی افغانستان میں خاموش رہتے اور جہاد کے باب میں جماعتِ احمدیہ کے مسلک کو بیان نہ کرتے تو شرعی طور پر ان پر کوئی اعتراض نہ تھا مگر وہ اس بڑھے ہوئے جوش کا شکار ہو گئے جو انھیں حکومتِ برطانیہ کے متعلق تھا اور وہ اسی ہمدردی کی وجہ سے مستحق سزا ہو گئے جو قادیان سے لے کر اٹھے تھے۔'' (''الفضل'' ۶ راگست ۱۹۲۵ء)

اسی طرح مُلا عبدالحلیم اور مُلا نور علی قادیانی کے پاس سے ایسی دستاویز اور خطوط برآمد ہوئے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ وہ افغانی حکومت کے غدار، انگریزی حکومت کے ایجنٹ اور جاسوس ہیں۔

اخبار ''الفضل'' نے افغانی اخبار ''امان افغان'' کے حوالے سے اس اطلاع کو فخریہ شائع کیا:

''افغان حکومت کے وزیر داخلہ نے مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا ہے کہ کابل کے دو اشخاص مُلا عبدالحلیم اور مُلا نور علی دکاندار قادیانی عقائد کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ اور لوگوں کو اس عقیدہ کی تلقین کر کے انھیں صلاح کی راہ سے بھٹکا رہے تھے۔ جمہور نے ان کی اس حرکت سے مشتعل ہو کر ان کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرم ثابت ہو کر عوام کے ہاتھوں پنجشبہ ۱۱؍رجب کو عدم آباد پہنچائے گئے۔ ان کے خلاف مدت سے ایک اور دعویٰ دائر ہو چکا تھا اور مملکتِ افغانیہ کے خلاف غیر ملکی لوگوں کے سازشی خطوط ان کے قبضے سے پائے گئے جن سے پایا جاتا تھا کہ وہ افغانستان کے دشمنوں کے ہاتھ بک چکے ہیں۔'' (''الفضل'' ۳؍مارچ ۱۹۲۵ء)

مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے اس سپاسنامے میں جو ۱۹؍جنوری ۱۹۲۲ء کو ''پرنس آف ویلز'' کو پیش کیا تھا۔ ان واقعات کا فخریہ ذکر کیا ہے اور ظاہر کیا ہے کہ یہ سب قربانیاں انگریزی حکومت کے ساتھ اخلاص و وفاداری کا نتیجہ ہیں:

بجرم عشق توام می کشند غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائیست

مرزا صاحب حکومتِ برطانیہ کا اقبال اور اس کی وسعت واستحکام دیکھ کر یقین رکھتے تھے کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ ان کے نزدیک اس سے وفاداری کا اظہار اس کی قسمت سے اپنی قسمت کو وابستہ کر دینا ایک بڑی سیاسی دور بینی اور اعلیٰ درجہ کے تدبر کی بات تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص دینی فراست اور سیاسی بصیرت دونوں سے محروم ہو۔ اس کا یہی فیصلہ اور اندازہ ہوگا۔ اس کے علم و ادراک پر یہ بات بالکل مخفی رہی کہ ان کے انتقال پر نصف صدی نہ گزرنے پائے گی کہ یہ غیر متزلزل انگریزی حکومت جس کو وہ ''سایۂ الٰہ'' اور ''دولتِ دین پناہ'' سمجھتے تھے۔ ہندوستان سے اس طرح کوچ کر جائے گی جیسے کبھی یہاں اس کا وجود نہ تھا اور نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ساری دنیا میں اس کا ستارۂ اقبال غروب ہو جائے گا۔

مرزا صاحب نے اس غیر اسلامی اور مخالف اسلام حکومت سے جس طرح اپنی بے نیازی کا اظہار کیا ہے اور جس جوش کے ساتھ مسلمانوں کو محکومی اور غلامی کی زندگی کو نعمت سمجھنے کی تلقین کی ہے۔ اس کو اس منصب اور مقام سے کچھ مناسبت نہیں جس کے وہ داعی ہیں۔ اقبال مرحوم نے اسی بوالعجبی اور تضاد کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شیخ اُو فردِ فرنگی را مرید
گرچہ گوید از مقام بایزید
گفت دیں را رونق از محکومیست
زندگانی از خودی محرومیست
دولتِ اغیارِ را رحمت شمرد
رقصہا گردِ کلیسا کرد و مُرد ماہ(۱)

(۱) ''قادیانیت'' مصنفہ ابوالحسن علی ندویؒ صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۲

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی اس تحریر میں قادیانیت کے کارناموں کا سارا خلاصہ موجود ہے۔اس پر انھیں جشن صدسالہ ضرور منانا چاہیے کہ یہ خلافِ اسلام ایسے کارنامے ہیں کہ جس پر اہل اسلام کوتو شدید اعتراضات ہیں لیکن قادیانیوں کے لیے واقعی فخر ومباہات کی بات ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں کی دین اسلام کے خلاف یہ غداری اکابرِ احرار اسلام کو ان کے مقابل لے آئی اور مجلس احرار اسلام نے ملتِ اسلامیہ کے تعاون اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے انھیں ہر دو محاذ پر ناکام کیا اور آئندہ بھی قادیانی اپنے اُن منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ان شاء اللہ ناکام رہیں گے۔جن کی آشیر باد انھیں یہودی اور نصرانی طاقتوں کی طرف سے حاصل ہے۔

مجلس احرارِ اسلام کی ۱۹۳۱ء کی تحریک کشمیر، احرار کا قادیان کے اندر داخلہ ۱۹۳۴ء، احرار کا قیامِ پاکستان کے بعد قادیانیوں کا شدت کے ساتھ محاسبہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ "ہر فرعونے راموسیٰ" کی مصداق ہر باطل تحریک کے مقابلے میں حق والے موجود رہیں گے۔احرار انہی حق والوں کی نمائندگی کرتے ہوئے قادیانیوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے ہیں اور اس وقت بھی قادیانیوں کی ملک دشمن اور اسلام دشمن سرگرمیوں کے سدباب کے لیے صف آرا ہیں۔تحریک کشمیر ہو یا پھر قادیان میں مسلمانوں کے داخلے کی تحریک پاکستان بن جانے کے بعد ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت ہو یا پھر ۱۹۷۴ء کی تحریک، مجلس احرارِ اسلام کو ان تمام تحریکوں میں مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔احرار کی ردّ قادیانیت مہم کے بارے میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اپنی کتاب تحفۂ قادیانیت جلد دوم صفحہ ۶۸۔۶۹ میں اپنے تأثرات اس طرح بیان کرتے ہیں۔

احرار کی تنقیدی مہم:

"احرار کے نزدیک قادیانی ناموسِ رسالت کے قزاق اور انگریز کے وفادار پالتو تھے۔قادیانی نبوت سراسر مکاری وعیاری اور دجل وتلبیس کا دامِ فریب تھا۔قادیانیوں کی حکومت کے لیے جاسوسی اور خوشامد اسلام اور مسلمانوں سے غداری کے مترادف تھی۔اس لیے احرار کے کسی گوشۂ دل میں مرزائیت اور مرزائیوں کی عزت واحترام کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔وہ قادیانیت کو کسی سنجیدہ بحث وتجزیہ کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ان کے خیال میں مرزائیت اسلام اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک مذاق کی حیثیت رکھتی تھی اور مرزائی جماعت مسخروں کا ٹولہ تھا۔اس لیے احرار نے علمی بحثوں سے ہٹ کر مسلمانوں کو قادیانیوں سے نفرت دلانے پر توجہ دی اور اسے اپنے مذہبی فرائض میں شامل کر لیا۔

احرار کی تنقیدی مہم کے کئی پہلو تھے۔ان میں سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ مرزا غلام احمد اور اُن کے حواریوں کے اخلاق وکردار کو ان کی کتابوں سے پیش کیا جاتا اور مسلمانوں کو توجہ دلائی جاتی کہ جن لوگوں کی یہ حالت ہو کیا وہ نبی یا مسیح موعود یا مذہبی پیشوا ہو سکتے ہیں؟ احرار جگہ جگہ جلسے کرتے اور مرزائی لٹریچر سے وہ مواد پیش کرتے جس سے مرزائیت ایک اضحوکہ بن کر رہ جائے۔مرزائیوں کو شکایت ہوتی کہ "احرار" ان کے مسیح موعود کو گالیاں دیتے ہیں۔ان کے خلیفہ کی بے ادبی کرتے ہیں لیکن شکایت بے جا تھی۔احرار کا جرم اگر تھا تو یہ تھا کہ وہ مرزائی لٹریچر کے آئینے میں مرزائیت کا بھیانک چہرہ لوگوں کے

سامنے پیش کر دیتے تھے۔ مثلاً ''سیرت المہدی'' میں صاحبزادہ مرزا بشیر قادیانی نے بہت سے واقعات درج کیے کہ مرزا غلام احمد نامحرم عورتوں سے ربط رکھتے تھے۔ نامحرم جوان لڑکیاں شبِ تنہائی میں ان کی ''خدمت'' کیا کرتی تھیں۔ ان کے کمرۂ خاص میں ان کے سامنے غیر عورتیں بلا تکلف برہنہ غسل فرمایا کرتی تھیں اور اس قسم کے بے شمار واقعات احرار بیان کرتے تو لوگ سن کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے اور مرزائیوں کی طرف سے واویلا کیا جاتا کہ احرار ہمیں گالیاں دیتے ہیں۔''

احرار کے محاسبے سے خود قادیانی سربراہ کس قدر پریشان اور نالاں تھے اس کا اندازہ مرزا بشیر الدین محمود کے ان خطبات سے واضح ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ''پھر وہ لوگ جو پہلے سیاسی کاموں کی وجہ سے ہمارے مداح تھے، ان میں سے بھی کچھ تو کھلے طور پر ہماری مخالفت میں لگ گئے ہیں۔ بعض تو صاف احراریوں سے مل گئے ہیں۔ ان کی مجالس میں جاتے ہیں۔ ان کے لیے چندہ جمع کرتے ہیں اور چند گنتی کے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب نے یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔''

(خطبہ مرزا بشیر الدین، ''الفضل'' ۱۵ر مارچ ۱۹۳۴ء ص:۲۱)

(۲) ''میں حیران ہوں کہ آخر ان حکام اور ان احراریوں کا ہم نے کیا بگاڑا ہے میں نے بخل بالطبع اس پر غور کیا ہے کہ ہم نے ان کو کیا نقصان پہنچایا ہے لیکن کوئی بات مجھے نظر نہیں آئی۔ ہم نے ہر ایک کی خدمت کی ہے اور خدمت کرنے کے لیے اپنی عزت کی قربانی دی۔ ماریں کھائیں، گالیاں کھائیں، احراری اب بھی کہتے ہیں کہ ہم مذہبی اختلاف کو برداشت کر سکتے ہیں (حالانکہ وہ اختلافات ناقابل برداشت ہیں) مگر ان کی حکومت کے ساتھ وفاداری کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم نے حکومت کی خاطر اس قدر تکلیفیں اٹھائیں مگر اس نے کیا کیا۔ ہمیں نہ تو ملک کی خدمت سے کچھ ملا اور نہ حکومت کی خدمت سے۔ سوائے اس کہ گالیاں کھائیں اور ماریں کھائیں۔'' (خطبہ مرزا بشیر الدین ''الفضل'' یکم نومبر ۱۹۳۴ء)

(۳) ''جمعیۃ العلماء اس وقت تک خاموش تھی۔ کیونکہ ان کے لیڈروں کو احراریوں کے سرکردہ لوگوں سے بغض و عناد تھا مگر جب اس نے دیکھا کہ یہ مسئلہ خاص طور پر اہمیت اختیار کرتا جا رہا ہے اور مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد کی توجہ اس طرف ہے تو اس نے خیال کیا کہ ایسا نہ ہو کہ جماعتِ احمدیہ کو کچلنے کا سہرا احراریوں کے سر رہے۔ پس اس نے بھی اعلان کر دیا کہ مسلمانانِ عالم کے سامنے اس وقت سب سے بڑا فتنہ جماعتِ احمدیہ کا ہے اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کا استیصال کریں۔ جب اس زور شور سے اغیار نے جماعتِ احمدیہ کا مقابلہ ہوتے دیکھا تو ان میں آریہ سماج کے اخبار بھلا کہاں خاموش رہ سکتے تھے۔ قادیان کے آریہ اور سکھ بھی ان میں شامل ہوگئے۔'' (خطبہ مرزا بشیر الدین محمود، الفضل ۳۰ر مئی ۱۹۳۵ء)

(۴) ''آج ہمیں احراریوں سے بھی کہہ دینا چاہیے کہ ہم نرم طبائع رکھتے ہیں، فسادی نہیں ہیں، لیکن تمہاری ایک

ایک قربانی کے مقابلے میں دس دس پیش کر کے بھی ہم خوش نہیں ہوں گے۔ ہم اس وقت تک آرام کا سانس نہیں لیں گے۔ جب تک تم لوگ یا تو توبہ نہ کرلو یا پھر تمہارے نظام کو ہم دنیا سے فنا نہ کردیں اور تمہاری پارٹی کو توڑ نہ دیں۔ ہمارے آرام کی اب دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ تم مؤمن بن جاؤ اور دوسری یہ کہ تم پراگندہ ہوجاؤ۔'' (خطبہ مرزا بشیر الدین ''الفضل'' ۱۲؍جون ۱۹۳۵ء)

(۵)　''ابھی چند ہفتے ہوئے، میں نے اسی منبر پر کھڑے ہوکر کہا تھا کہ زمین احرار کے پاؤں تلے سے نکلی جارہی ہے اور میں نے ان کی شکست ان کے قریب آتے دیکھ رہا ہوں۔ اب دنیا نے دیکھ لیا۔ وہ زمین ان کے پاؤں تلے سے نکل گئی۔''

ہماری جماعت میں بے شک پچھلے ایام میں ایسا طویل ابتلا آیا کہ بہت سے لوگ ایسا خیال کرنے لگ گئے تھے کہ نہ معلوم خدا تعالیٰ کی مدد کب آئے گی اور عام طور پر یہ کہا جانے لگا کہ اس حملے کا سلسلہ بہت لمبا ہوگیا ہے۔ مگر کسی کو کیا معلوم تھا (البتہ میاں محمود احمد صاحب کو شاید معلوم تھا جب کہ انھوں نے کچھ دنوں پہلے پیش گوئی کی تھی کہ زمین احرار کے پاؤں تلے سے نکلی جارہی ہے۔ (للمؤلف) کہ خدا تعالیٰ نے اس فتنہ کا علاج امرتسر میں گوردوارے پربندھک کمیٹی کے پاس رکھا ہوا ہے جو مسجد شہید گنج کے انہدام کے سلسلے میں ظاہر ہوگیا اور جس نے مسلمانوں پر ثابت کردیا کہ احرار جو ہماری مخالفت اسلام کے نام سے کر رہے تھے وہ جھوٹے تھے۔ اسلام کے لیے قربانی کرنا ان کا طریق نہیں وہ تو اپنی ذاتی بڑائی کے لیے کام کرتے ہیں اور جب ذاتی لڑائی حاصل نہ ہوئی تو وہ خدا تعالیٰ کے گھر بھی قربانی کرنے کے لیے تیار نہیں۔ لاہور میں سکھوں نے جو شہید گنج کی مسجد شہید کی تو قادیانی صاحبان متوقع اور منتظر تھے کہ احرار کٹ مریں گے اور قصہ پاک ہوجائے گا لیکن احرار نے آئینی اور قانونی تدابیر کو مقدم سمجھا اور بعد میں تمام اکابر کی بھی یہی رائے پائی۔ اس لیے قادیانی صاحبان کو مایوسی ہوئی (للمؤلف)

(تقریر خلیفہ قادیاں، ''الفضل'' ۱۹؍اکتوبر ۱۹۳۵ء/ قادیانی مذہب، پروفیسر الیاس برنی، صفحہ ۵۱،۵۲)

(۶)　''مجھے یاد ہے ہم میں سے بعض کہا کرتے تھے کہ اب مولوی ثناء اللہ کی طاقت ٹوٹ گئی ہے۔ مگر اب میں ان سے پوچھتا ہوں کہ ان کی طاقت زیادہ تھی یا احرار کی اسی طرح اب بعض یہ خیال کررہے ہیں کہ احرار کی طاقت ٹوٹ گئی ہے، اب ہم سو جائیں، مگر یاد رکھو تمہارے لیے سونا مقدر نہیں ہے۔ تم یا تو جاگو گے یا مرو گے۔''

(ہائے رے بے خوابی۔ موت کا ایک دن معین ہے۔ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی، للمؤلف)

(خطبہ مرزا محمود احمد، مندرجہ ''الفضل'' ۲۲؍مئی ۱۹۳۶ء/منقول قادیانی مذہب، الیاس برنی، صفحہ ۷۳)

(۷)　''اگر پنڈت جواہر لال نہرو اعلان کردیتے کہ احمدیت کو مٹانے کے لیے وہ اپنی تمام طاقت خرچ کردیں گے جیسا کہ احرار نے کیا ہوا ہے تو اس قسم کا استقبال بے عزتی ہوتا لیکن اگر اس کے برخلاف یہ مثال موجود ہو کہ

قریب کے زمانے میں ہی پنڈت نہرو نے ڈاکٹر اقبال کے ان مضامین کا رد لکھا ہے جو انہوں نے احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ قرار دیے جانے کے لیے لکھے تھے اور نہایت عمدگی سے ثابت کیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے احمدیت پر اعتراضات اور احمدیوں کو علیحدہ کرنے کا سوال بالکل نامعقول اور خود ان کے گذشتہ رویے کے خلاف ہے تو ایسے شخص کا جب کہ وہ صوبہ میں مہمان کی حیثیت سے آرہا ہو ایک سیاسی انجمن (یعنی قادیانیوں کی نیشنل لیگ للمؤلف) کی طرف سے استقبال بہت اچھی بات ہے۔''

(خطبہ مرزا محمود مندرجہ الفضل ۱۱رجون ۱۹۳۴ء) (منقول از قادیانی مذہب، الیاس برنی، صفحہ ۹۴)

ان تمام خطبات سے مجلس احرار اسلام کے قادیانیت محاسبے کی شدت صاف جھلک رہی ہے۔

قادیانیو! تم جشن مناتے رہو احرار کا محاسبۂ قادیانیت اسی طرح سے انشاء اللہ تعالیٰ جاری رہے گا اور تم کبھی بھی ملت اسلامیہ کا حصہ نہ بن پاؤ گے جو تمہاری پہلی منشاء ہے اور نہ ہی تم دنیا میں کہیں اسرائیل طرز کی کوئی ریاست قائم کر سکو گے جو تمہاری دوسری خواہش ہے۔ احرار تمہارے محاسبے میں اپنی روایت کے عین مطابق تمہیں ہر محاذ پر شکست دیں گے جس طرح پہلے ہر محاذ پر تمہاری تمام تر شکستوں کا بنیادی سبب مجلس احرار اسلام کی طرف سے تمہارا محاسبہ رہا ہے جس کا اعلان آپ کے مرشد خود اپنے خطبوں میں کر رہے ہیں۔ ہماری طرف سے انشاء اللہ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ کہ تمہیں دجل و فریب کے لیے یوں کھلا نہیں چھوڑا جا سکتا

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

a a a

مسلمانوں کو مرتد کرنے والے ڈاکٹر نے اسلام قبول کرلیا

رپورٹ: بصیر احمد

۳۶ سالہ جرمن آئی سرجن جی میشل کو افریقی مسلمانوں کو گمراہ کرکے عیسائیت کے دائرے میں داخل کرنے کا مشن سونپ کر صومالیہ جانے کا حکم دیا گیا۔ سرجن جی میشل کو ڈاکٹروں کی ٹیم کا سربراہ بنایا گیا، جنھیں بظاہر صومالیہ میں پھوٹ پڑنے والی آنکھوں کی بیماری کا علاج کرنا اور صومالی مسلمانوں کو اس بیماری سے بچاؤ کی تدابیر سے آگاہ کرنا تھا۔ جی میشل ۱۹۸۷ء کے درمیانی مہینوں میں اپنی ٹیم کے ہمراہ صومالیہ منتقل ہوجاتے ہیں۔ آیئے ڈاکٹر جی میشل کی صومالیہ میں پراسرار سرگرمیوں اور خفیہ مشن سے متعلق واقعات خود اِنھی کی زبانی سنتے ہیں جو انھوں نے حال ہی میں ایک نشریاتی ادارے سے بات چیت کرتے ہوئے آشکار کیے ہیں۔

ڈاکٹر جی میشل کہتے ہیں کہ ”میرے لیے صومالیہ کا سفر اور وہاں کے لوگوں سے ملاقات انتہائی دلچسپ رہی۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرے وجود میں پھیلی اس خوشی کی اصل وجوہات کیا تھیں، معلوم نہیں کہ اس خوشی کا راز کس بات میں پنہاں تھا، میری صومالیہ آمد پر وہاں کے معصوم لوگوں کی جانب سے دلفریب استقبال کی وجہ یہ تھی کہ شدید بھوک اور افلاس کے باوجود ان غیرت مند لوگوں میں عزت نفس بدستور موجود تھی۔ میری خوشی کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی تھی کہ ان لوگوں کے چہروں سے معصومیت کے علاوہ امانت اور صداقت بھی صاف عیاں تھی۔

اپنی ٹیم کو لے کر صومالیہ پہنچنے کے فوری بعد ہم نے اپنے طبی مراکز کا آغاز کردیا اور انتہائی محنت و لگن کے ساتھ وہاں پھیلی آنکھوں کی بیماری کے خلاف کام شروع کردیا۔ درج بالا عوامل کی بنا پر یہ طبی مرکز میرے لیے زیادہ دلچسپ تھا، اسی لیے میں زیادہ تر طبی مرکز ہی میں رہتا تھا۔ ہم اپنے کام میں اتنے مشغول رہے کہ میں عیسائیت کے پرچار اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے مشن ہی کو بھول گیا۔ بہت کم عرصے میں ہی یہاں کے متعدد مسلمان میرے اچھے دوست بن گئے، وہ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتے اور میں بھی ان سے اپنی مشکلات کے حل کے حوالے سے کچھ نہ کچھ پوچھتا ہی تھا۔

لوگوں کے علاج معالجے میں کسی قسم کی کسر نہ چھوڑنے کی بنا پر میں نے عام لوگوں میں انتہائی مقبولیت حاصل کرلی، اپنے پیشے میں مہارت کے سبب میں نے سینکڑوں لوگوں کو نابینا ہونے سے بچانے میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔ جہاں بھی جاتا اور جن لوگوں سے بھی ملتا، مجھے بہت پیار اور عزت دی جاتی، اگرچہ میں ان کی زبان سے ناآشنا تھا، تاہم ان لوگوں کے چہرے کے تاثرات میرے دامن کو عقیدت کے پھولوں سے بھر دیتے تھے۔

پانچ مہینے اسی طرح گزر گئے لیکن ایک دن خلافِ توقع ہمارے مرکزی دفتر واقع جرمنی سے مجھے ایک ٹیلی گراف موصول ہوا، جس میں مجھے فوری طور پر جرمنی پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا۔

دل میں سوچا کہ شاید میرے کام اور محنت کے سبب میرا ادارہ میری تعریف اور ترقی کے لیے مجھے بلا رہا ہوگا اور اس سلسلے میں میری ٹیم کو انعام و اکرام سے نوازنے کے لیے مجھے بلایا جارہا ہے، تاہم ٹیلی گراف کے متن کو بغور دیکھ کر میرے تمام خیالات غلط ثابت ہوئے۔ مجھے کہا گیا تھا کہ آپ کو ایک مہینے کے لیے برطانیہ بھیجا جارہا ہے، جہاں پر مشن کی تکمیل کے حوالے سے مجھے خصوصی ٹریننگ دی جانی تھی، جسے صومالیہ کے مشن کے لیے نہایت ضروری بتایا گیا تھا۔

میں اس حکم سے انکار نہ کرسکا۔ اگرچہ میرا دل پوری طرح صومالیہ میں لگ چکا تھا۔ اس لیے پہلے جرمنی اور پھر برطانیہ چلا گیا۔ برطانیہ کے ایک مہینے کے خصوصی دورے کے بعد میں واپس مغربی جرمنی چلا آیا۔ مجھے صومالیہ واپسی کی بے چینی کھائے جارہی تھی لیکن ایک لمبے عرصے کے انتظار کے بعد مجھے صومالیہ کے بجائے تنزانیہ جانے کا حکم دے دیا گیا۔ میں اس حکم پر بھی انکار نہ کرسکا لیکن یہ خیال مجھے ستائے جارہا تھا کہ کیا میں صومالیہ میں کامیابی سے محروم ہوگیا تھا اور کیا وہاں موجود میری ٹیم کو میری رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ بار بار خود سے سوال کرتا کہ آخر مجھے صومالیہ کے بجائے تنزانیہ کیوں بھیجا جارہا ہے لیکن اس بار پھر اپنے اعلیٰ حکام سے بحث کرنے کے بجائے میں چپ چاپ تنزانیہ روانہ ہوگیا، قریباً چار ہفتے بعد جب میرے ادارے کے اعلیٰ حکام نے مجھ پر اندھا اعتماد شروع کردیا تو مجھے حکم ملا کہ فوری طور پر واپس صومالیہ منتقل ہوجاؤں۔ یہ حکم ملتے ہی میری آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ پانچ سے زائد ماہ کی جدائی کے بعد میں واپس صومالیہ پہنچ گیا۔ مجھے اپنے درمیان دیکھ کر صومالیوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اگر مبالغہ آرائی نہ کروں تو یہ کہنا درست ہوگا کہ گویا میری آمد ان کے لیے کسی مسیحا کی آمد سے کم نہ تھی، میں واپسی پر اپنے طبی مرکز لوٹ کر اپنی ٹیم کے ساتھ کام میں مشغول ہوگیا۔ محمد باہور نامی صومالی مسلمان دیگر کی بہ نسبت مجھ سے زیادہ قریب تھا۔ ایک بار اس نے مجھے اپنے گھر میں دعوت دی، جہاں پر اس کے گھر والوں نے مجھے بہت عزت وتکریم دی۔ اس کے گھر میں ایک بوڑھے شخص سے ملا جو کہ انگریزی انتہائی روانی سے بول سکتا تھا۔ بزرگ محمد باہور کے والد تھے، انھیں پورے علاقے کے لوگ انتہائی عزت وتکریم دیتے تھے بلکہ اس علاقے میں محمد باہور کے والد کو ایک رہنما کی حیثیت حاصل تھی۔ باہور کے والد سے ملاقات پر میں دل ہی دل میں خوش ہوا کہ میرے مشن کے آغاز اور تکمیل کے لیے ان سے کارآمد شخص کوئی اور نہ ہوگا، اگر میں نے انھیں قابو کرلیا تو پھر اس علاقے کے سینکڑوں ہزاروں لوگوں کو قابو کرنا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔ چنانچہ میں نے کسی انتظار کے بغیر فوراً ہی بات کرنے کی ٹھان لی۔ دل میں سوچا کہ اپنے مقصد کی بات کی شروعات مذہب سے کروں اور پھر آہستہ آہستہ انجیل اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی جانب بڑھوں۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر بھی ایسے ہی ایمان رکھتے ہیں جیسے کہ آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رکھتے ہیں۔

اس سے قبل کہ میں اپنی بات کا آغاز کرتا، باہور کے والد نے قرآن پاک کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ میں اٹھا کر مجھ سے

سوال کیا کہ کیا مجھے اس کتاب کے بارے میں معلوم ہے؟ میں نے جعلی تبسم ہونٹوں پر پھیلا دیا اور اس خوف سے کہ کسی غلط بات پر ان کے مذہبی احساسات نہ پھڑک اٹھیں۔ میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ باہور کے والد نے خاموشی توڑتے ہوئے بتایا کہ انجیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو بھی سوالات ذہن میں ہوں، ان سے پوچھوں، وہ مجھے اطمینان بخش جواب دے سکتے ہیں۔ میں نے تعجب کرتے ہوئے ان سے سوال کیا کہ آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہے تو اس پر انھوں نے بتایا کہ یہ تمام قرآن پاک میں موجود ہے۔ کچھ دیر بعد محفل برخواست ہوئی اور میں اپنے طبی مرکز واپس آ گیا۔ اس ملاقات کے بعد میں کئی دنوں تک اس سوچ بچار میں تھا کہ آخر اس شخص کے دماغ پر کیسے قابو پاؤں۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر اس بوڑھے رہنما کو ذہنی طور پر قابو کر لیا تو میرا کام (مسلمانوں کو مرتد بنانے کا) انتہائی آسان ہو جائے گا۔ اس ملاقات کے بعد باہور کے والد سے فیصلہ کن بحث مباحثے اور بات چیت کے لیے کئی دنوں تک خوب تیاری کی۔ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی غرض سے مطالعے کے لیے کئی انگریزی کتب خریدیں اور خود کو مباحثے کے لیے تیار کرتا رہا۔ بالآخر محمد باہور کے والد سے بات چیت کا دن آ ہی گیا، اس دن میں بہت پریشان تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ گویا پرائمری کا ایک بچہ سخت امتحان سے گزر رہا ہو۔ پھر دل کو خود ہی تسلی دی کہ آخر میں کیوں کر اتنا پریشان ہوں، یہ تو انتہائی آسان کام ہے، خود کو تسلی دیتے ہوئے میں اپنے طبی مرکز چلا گیا اور وہاں سے فراغت کے بعد محمد باہور کو لے کر اس کے گھر چلا آیا۔

باہور کے والد سے ان کے گھر پر ہی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے مجھے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ سوال جواب کی ابتدا انھوں نے ہی کی۔ مجھ سے پوچھا کہ میرا کام کیا ہے، جس پر میں "ڈاکٹر" کہہ کر خاموش ہو گیا۔

اس پر باہور کے والد نے بتایا کہ قرآن کریم نے انسان کی پیدائش اور اس کی بناوٹ کے تمام مراحل کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اس پر میں نے یک دم پوچھا، وہ کیسے؟

انھیں گویا اس جملے کا انتظار تھا۔ انھوں نے اپنے دھیمے اور میٹھے لہجے میں انتہائی شستہ انگریزی کے ذریعے مجھے اس حوالے سے پوری معلومات فراہم کر دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے لہجے اور زبان کی مٹھاس میرے دل میں اتر رہی تھی۔ قرآن کو دیکھنے پر میری حیرت میں اضافہ ہوا۔ اس کتاب میں انسانی جینن اور بچے کی نشوونما و پیدائش کے وہ تمام مرحلے تفصیلاً مذکور تھے، جنھیں ہم نے یونیورسٹی اور کالجوں میں پڑھا تھا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں اس کتاب میں ۱۴ سو سال قبل بیان کی گئی تھیں۔ اسی لیے میں یہ پڑھ کر انتہائی مرعوب ہوا بلکہ بوڑھے کا ہر لفظ مجھے روحانی طور پر تسکین دے رہا تھا۔

محمد باہور کے والد سے ملاقات کے بعد میں ذہنی طور پر کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ میرے دل اور دماغ میں طوفان برپا ہو گیا تھا، میں خوف اور دباؤ کے باعث رات بھر نہ سو سکا۔ بہت سوچ بچار کے بعد پہلے کی طرح خود کو تسلی دے کر سونے کی کوشش کی۔ بالآخر مجبور ہو کر میں نے بعض طبی مسائل کے حل کے لیے اپنی ٹیم ورکرز کے کام بڑھا دیئے جب کہ خود میں نے تحقیقات اور مطالعے کے لیے وقت نکالا تا کہ اپنے مشن کی کامیابی کے لیے کوئی راستہ نکال سکوں۔ بار بار سوچتا کہ یقیناً مجھے صومالیہ اور یہاں کے لوگوں سے محبت ہے لیکن اپنے دین (عیسائیت) سے مجھے جنون کی حد تک محبت ہے تو کیوں نہ ان

معصوم اور سچے لوگوں کو اپنے دین کی جانب بلاؤں۔

چند دنوں کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ محمد باہور کے والد سے ایک بار پھر ملوں تاہم میرے مطالبے سے قبل ہی محمد باہور نے مجھ سے تقاضا کیا کہ اگر میرے لیے ممکن ہو تو میں روزانہ اس کے گھر جا کر اس کے والد سے مل لوں۔ محمد باہور نے بتایا کہ اس کے والد نے مجھ سے متاثر ہو کر روزانہ ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

پہلے تو میں ان کی اس درخواست پر بہت خوش ہوا کیوں کہ یہی سب کچھ تو میں چاہتا تھا تاہم بعدازاں دل میں سوچا کہ جب میں نے ان پر اب تک کوئی اثر ہی نہیں ڈالا ہے تو پھر ان سے مزید ملاقاتوں کے ذکر سے کیوں خوش ہو رہا ہوں۔

محمد باہور سے حامی بھرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اس بار گفتگو کا آغاز میں خود کروں گا اور گفتگو کے دوران پہلا وار بھی میرا ہی ہوگا۔ اپنی تمام ملاقاتوں کا تذکرہ کر کے پڑھنے والوں کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ پانچویں اور چھٹی ملاقات کے دوران بھی بوڑھے مسلمان کا پلڑا بھاری تھا۔ میں برملا اعتراف کرتا ہوں کہ ان سے تمام نشستوں کے دوران میں خود کو محاصرے میں سمجھتا تھا۔ باہور کے والد سے ملاقات سے قبل پوری تیاری کرتا لیکن سامنا ہونے پر ان کی صداقت، ایمانداری و سچائی پر مبنی تحلیل، تجزیے اور توضیحات مجھے روحانی طور پر شدید جھٹکا دیتے تھے، میری حالت یہ ہوتی کہ جیسے ایک بچہ استاد کے سامنے بیٹھ کر اس سے کچھ سیکھ رہا ہو۔

دوسری جانب جرمن ادارہ برائے عیسائی تبلیغ کے کارکنان پوری طرح سے مجھ پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ انھوں نے پہلے ہی دن میرے محمد باہور کے گھر جانے کو بھی نوٹ کیا تھا۔ آخر کار بات یہاں تک پہنچی کہ میرے ٹیم ورکرز میرے سامنے مزاحمت کرنے لگے۔ انھوں نے مجھے وارننگ دی کہ آئندہ میں باہور کے گھر نہ جاؤں، دن بدن مجھ پر سختی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ جرمنی سے مجھے حکم ملا کہ میں محمد باہور کے گھر نہ جاؤں اور پھر مجھے صومالیہ کے اس چھوٹے سے مقام سے دارالحکومت موغادیشو ٹرانسفر کر دیا گیا۔ جرمن ادارے کے کارکنوں نے محمد باہور کے گھر والوں پر اس مقام سے کہیں اور منتقل ہونے کے لیے دباؤ ڈالا تھا۔ جرمن ادارے نے محمد باہور سے میرے تعلقات ختم کرنے میں کامیابی حاصل کی لیکن وہ میرے دل سے صومالیہ اور یہاں کے لوگوں کی محبت ختم نہ کر سکے۔

بہرکیف کچھ دن بعد میں اکثر رات کے پچھلے پہر چپکے سے ٹیکسی میں سوار ہو کر محمد باہور کے گھر چلا جاتا لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ میری جگہ تعینات نئی ٹیم کے سربراہ کو اس بات کی خبر ہو گئی اور پھر اس نے علاقے کے ایک سیکورٹی افسر کو میرے پیچھے لگا دیا جو کہ کئی دنوں تک مجھے منع کرتا رہا۔ آخر کار میں اس سیکورٹی اہلکار کو چکمہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ بعدازاں مجھے روکنے میں ناکامی پر سیکورٹی افسر نے محمد باہور کو گرفتار کر کے قید کر لیا۔ جس کا مجھے بہت افسوس ہوا اور پولیس کے اس روّیے پر میں بہت رویا۔

اس کے بعد میں باہور کے والد سے مزید ملاقات نہیں کر سکتا تھا اور اسی بنا پر زیادہ مایوس ہو گیا تھا، میرا واحد ہدف یہی تھا کہ ان سے شروع کی جانے والی بحث کو منطقی انجام تک پہنچا دوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بوڑھے کی باتوں سے میرے

ذہن میں برپا ہونے والے طوفان کے خاتمے کے لیے ان سے مزید ملاقاتیں ضروری تھیں۔ اسی عرصے کے دوران مجھے میرے مرکزی دفتر واقع جرمنی سے ایک ٹیلی گرام کے ذریعے حکم دیا گیا کہ ضروری ڈیوٹی کے پیش نظر میں فوری طور پر کینیا پہنچ جاؤں۔ کینیا جانے سے قبل سیکورٹی افسر سے یہ کہہ کر محمد باہور کے علاقے میں چلا آیا کہ میری بعض ضروری دستاویزات وہاں رہ گئی ہیں۔ یہاں آتے ہی سیدھا محمد باہور کے گھر چلا گیا، اس بار ان کے گھر میں زیادہ خوشیاں دیکھنے کو ملیں۔ باہور کے والد نے بتایا کہ رمضان کا مہینہ شروع ہے، جس میں دینِ اسلام کا تیسرا اہم رکن روزہ رکھا جاتا ہے۔ صبح ہونے سے قبل میں نے ان کے ساتھ سحری کر لی اور پھر اذانوں کے بعد سبھی لوگوں کو مسجد کی جانب جاتے ہوئے دیکھا، پورا دن محمد باہور کے والد کے ساتھ گزارا اور ان کے دینی شعائر کے احترام کی بنا پر میں بھی پورا دن روزے سے رہا۔

قصہ مختصر اعلیٰ حکام کے حکم کے مطابق میں موغا دیشو سے کینیا کے دارالحکومت نیروبی چلا گیا۔ نیروبی کے ائیر پورٹ پر وہاں کے مسلمان میرے استقبال کے لیے موجود تھے۔ میں ان سے پہلی بار مل رہا تھا۔ انھوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ ہوٹل جانے سے قبل انہی مسلمانوں میں سے ایک کے گھر کی دعوت قبول کر لوں جو کہ انھوں نے میری آمد سے قبل ہی ترتیب دی تھی۔

نیروبی میں کچھ عرصہ گزرنے کے بعد مرکزی آفس سے ایک دوسرے ٹیلی گراف کے ذریعے مجھے خبر دی گئی کہ سیکورٹی نقطۂ نگاہ سے میں آئندہ صومالیہ کا نام بھی زبان پر نہ لاؤں، اس خبر پر مجھے شدید حیرانی ہوئی کہ آخر صومالیہ میں میری زندگی کو کیوں کر خطرات لاحق ہیں۔ مجھے ٹیلی گراف میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ اگر تمام احکامات کے باوجود میں نے صومالیہ جانے کی کوشش کی تو مجھے مرکزی آفس کے حکام کے شدید نوعیت کے ردّعمل کا انتظار کرنا چاہیے۔ وہاں میرے والدین کو بھی غلط معلومات فراہم کی گئیں۔ ان کے ذہنوں کو میرے بارے میں مکمل طور پر تبدیل کر دیا گیا تھا۔ بالآخر مجھے میرے والد کی جانب سے بھی ایک ٹیلی گراف موصول ہوا، جس میں مجھے فوری طور پر جرمنی آنے کا حکم دیا گیا تھا۔ میرا ذہن منتشر تھا، میرے ذہن اور دل کو اطمینان بخش جواب دینے کے لیے کوئی بھی میرے پاس موجود نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے ہر پہلو پر خوب سوچ بچار شروع کر دیا، جرمنی پلٹ کر وہاں کی آرام دہ زندگی اور صومالیہ کے پیچیدہ حالات کے درمیان فرق تلاش کرنے لگا۔ اپنے دماغ میں ابھرنے والے سوالات کے جواب تلاش کرنے اور ہیجانی کیفیت سے باہر نکلنے سمیت صومالی مسلمانوں کے شفاف اور صادق چہروں نے مجھے انتہائی فیصلہ کرنے پر مجبور کیا۔ مجھے محمد باہور کے والد سے ان تمام سوالات کے جوابات سننے تھے جو کہ طوفان بن کر میرے ذہن اور دل میں اٹھے تھے۔

چنانچہ انتہائی فیصلے سے قبل اللہ سے دعا کی کہ مجھے سیدھا راستہ دکھا دے، یہ کہہ کر میں نے قلم کاغذ لے کر اپنے جرمنی کے مرکزی آفس کو ٹیلی گراف میں لکھا۔ آپ لوگ مطمئن رہیں، میں نے پوری فکر اور تحقیق کے بعد اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور میں اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں جو آپ سے ہو سکتا ہے وہ آپ کر لیں، ڈاکٹر جی میشل کینیا۔

ہر طرح کے وسوسوں سے نکلنے کی غرض سے اس متن کو فوری طور اپنے مرکزی آفس ٹیلی گراف کر دیا۔ ٹیلی گراف

کرنے کے بعد مجھے انتہائی سکون حاصل ہوا۔ میں خوشی اور مسرت سے اپنے نیروبی کے دوستوں کو اپنا مسلمان ہونے کے بارے میں بتایا۔اس کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ کسی بھی قیمت پر صومالیہ ضرور جاؤں گا چاہے کچھ بھی ہوجائے۔صومالیہ جانے کے لیے میرے پاس رقم موجود نہ تھی۔ چنانچہ تن کے جوڑے کے علاوہ دیگر تمام چیزیں فروخت کردیں اور موغادیشو پہنچنے کے بعد سید حامد محمد باہور کے گھر چلا گیا۔ محمد باہور کے والد کو دیکھ کر السلام علیکم کہا، جس پر انھوں نے مجھے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا اور میرے آنے پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔اس دوران میں نے دھیمی آواز میں کلمہ شہادت پڑھا۔

اس کے بعد میرے پاس تفریح کے لیے کوئی وقت نہیں تھا۔ پورا پورا دن تلاوت قرآن اور احادیث پاک یاد کرنے میں صرف ہوتا،صومالیہ کے حکومتی اداروں نے میرے لیے صومالیہ میں قیام کی اجازت حاصل کرلی اور اس کے بعد میں بھی صومالیہ کا ایک شہری بن گیا۔ میرا نام عبدالجبار رکھا گیا اور اب مجھے کسی سے بھی ملنے سے کوئی منع نہیں کرسکتا تھا۔

آج اپنی سابقہ زندگی کو یاد کرتا ہوں کہ مجھے مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لیے صومالیہ بھیجا گیا تھا لیکن اللہ کے فضل و کرم سے میں خود اسلام کی دولت سے مالا مال ہوگیا۔صومالیہ کی شہریت حاصل کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ بحیثیت ڈاکٹر صومالیہ میں آنکھوں کے موذی مرض میں مبتلا لوگوں کا علاج کروں۔ چنانچہ آج میں پوری توجہ کے ساتھ اپنی خدمات انجام دے رہا ہوں،لیکن شکر کا مقام ہے کہ اس بار میں یہ خدمت اللہ کی رضا کے لیے انجام دے رہا ہوں۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''امت'' کراچی، ۲۰؍جولائی ۲۰۰۸ء)

☆☆☆

قارئین متوجہ ہوں

قارئین کی طرف سے اکثر یہ شکایت موصول ہوتی ہے کہ ہمیں سالانہ چندہ ختم ہونے کی کوئی اطلاع نہیں ملی اور رسالہ بند کردیا گیا ہے۔اس شکایت کے ازالے اور قارئین کی سہولت کے لیے لفافے پر پتا کے اوپر مدت خریداری درج کردی گئی ہے۔قارئین سے التماس ہے کہ درج شدہ مدت کے مطابق اپنا سالانہ چندہ ارسال کرکے اگلے سال کی تجدید کرالیں۔ اکثر قارئین کا زرتعاون سالانہ جولائی اور اگست ۲۰۰۸ء میں ختم ہو چکا ہے،انہیں ستمبر ۲۰۰۸ء کا شمارہ پھر بھی ارسال کیا جارہا ہے۔ براہِ کرم ماہ ستمبر میں ہی اپنا سالانہ زرِتعاون ۲۰۰ روپے ارسال فرمادیں۔بصورت دیگر آئندہ شمارے کے لیے معذرت! (سرکولیشن منیجر)

''نقیب ختم نبوت'' کی ترسیل اور دیگر معلومات کے لیے رابطہ نمبر: 0300-7345095

زبان میری ہے بات اُن کی

ساغر اقبالی

☆ کرزئی کا حشر پرویز مشرف سے بھی ابتر ہوگا۔ (گلبدین حکمت یار)

ہماری تو دعا ہے		مارنے والا خدا ہے

☆ معاہدے قرآنی الفاظ یا حدیث نہیں، تبدیلی ہوسکتی ہے۔ (زرداری)

مگر قرآن و حدیث کہتے ہیں ''معاہدے کا پاس کیا جائے''

☆ چینی، دال، چنا، چائے، پیاز، آلو سمیت ۲۶، اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ۔ (ایک خبر)

غریب کشی دی حد ہو گئی
کل نالوں وَد ہو گئی

☆ ڈاکٹر قدیر کو صدر بنایا جائے۔ (عدلیہ بچاؤ کمیٹی کا ریفرنڈم)

مگر عوام کی کون سنتا ہے؟

☆ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے وہ ہر متکبر کا سر نیچا کرتی ہے۔ (ڈاکٹر قدیر خان)

نہ جا اُس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اُس کی
ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اُس کا

☆ زرداری، مشرف کے سکول فیلو نکلے۔ (ایک خبر)

خدا کرے کارکردگی میں سکول فیلو نہ ہوں

☆ سیکورٹی خدشات، ۱۶ کروڑ کے گھر میں، مشرف کی رہائش غیر یقینی ہے۔ (دی ٹائمز)

دوسروں کو پریشان کرنے والا کیسے یقین سے رہ سکتا ہے؟

☆ مشرف نے ۵۰۰ ۷ پاکستانی امریکہ کے حوالے کیے، سخت سزا دی جائے۔ (ڈاکٹر قدیر)

خدا ہی پوچھے گا ان بتوں سے
مظلوم لوگوں کی یہ دعا ہے

☆ ملک میں ۶۲ واں یومِ آزادی قومی جوش و جذبے سے منایا گیا۔ (ایک خبر)

آزادی! ریٹ بے دریغ بڑھانے کی آزادی، مادر پدر آزادی، اخلاق باختگی کی آزادی۔ اللہ خیر کرے!

● **عشرین لأبی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ**　　تالیف: مفتی رشید احمد علوی

ضخامت: ۷۰ صفحات　قیمت: ۴۵ روپے　　ناشر: جمعیۃ پبلی کیشنز، رحمان پلازہ، مچھلی منڈی، اردو بازار لاہور

سیدنا الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو امام اعظم کہنے کی وجوہات میں سے ایک وجہ آپ کا دیگر ائمہ فقہ وحدیث کی بنسبت اقدم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے قریب تر زمانے میں ہونا ہے۔

ائمہ اربعہ میں صرف حضرت امام اعظم ہی باتفاقِ امت شرف تابعیت سے سرفراز ہیں اور آپ کے اس شرفِ امتیازی کی طرف آپ کے سب ہی سوانح نگاروں نے توجہ دلائی ہے۔ آپ کا ایک سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیارت کرنا اسناد صحیحہ سے ثابت ہے۔ دورِ اوّل کے مؤرخین میں حافظ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں ایک صحیح سند سے خود امام صاحب علیہ الرحمۃ کا قول نقل فرمایا ہے، جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے۔

زیرِ نظر کتابچہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کی ان حدیثوں کا ایک مختصر مجموعہ ہے جس کو انھوں نے صحابہ کرام سے براہِ راست اور بلاواسطہ سماع فرمایا ہے۔ ان سب احادیث کا مفہوم حدیث کی معتبر کتب میں اسناد صحیحہ معتبرہ سے منقول اور ثابت ہے۔ البتہ ان احادیث کے استناد میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واسطہ ذکر کرنے میں کلام کیا گیا ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے ایک عاشق صادق علامہ محمد یوسف صالحی الشافعی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ''عقود الجمان'' میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کرتے ہیں، جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

> ''بعض لوگوں نے ایسے رسالے تالیف کیے ہیں، جن میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحابہ کرام سے روایتوں کو جمع کیا گیا ہے لیکن ان کی اسناد ضعف سے خالی نہیں۔''
>
> (عقود الجمان، ص ۵۰، محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی لجنہ احیاء المعارف النعمانیہ، ۱۹۷۴ء، ۱۳۹۴ھ)

اسی اختلاف کے پیش نظر کتاب کے مرتب ومؤلف مدظلہ نے بھی کئی جگہ وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے کی کوششیں کی ہیں لیکن اجمالی نظر سے قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان اعتراضات کے دفعیہ میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکے۔

ایک اہم اور ضروری چیز جس کی خواہش ہمیں کتاب کے دیکھتے ہی پیدا ہوئی وہ اس مجموعے کی استنادی حیثیت کے بارے میں اطلاع ہے۔ فاضل مؤلف نے کہیں نہیں بتایا کہ یہ احادیث آیا ایک مجموعے کی شکل میں مرتب حالت میں انھیں ملی ہیں یا انھوں نے اس مجموعے کو خود ہی ترتیب دیا ہے۔ اسی طرح کسی بھی حدیث سے پہلے حضرت الامام الاعظم علیہ الرحمۃ کے نام

سے پہلے مؤلف تک کی سند کو بیان نہیں کیا گیا۔ یعنی ہر حدیث کی سند کا نکتۂ ابتدا حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کا اسم گرامی ہے اور اس سے پہلے کے رجال سند کے اسماء کو نہیں لکھا گیا، کجا یہ کہ ان کے احوال اور ثقاہت یا ضعف پر گفتگو کی جاتی۔

آخری بات یہ کہ حضرت امام صاحب علیہ الرحمۃ کے مناقب میں بعض ضعیف اور حتیٰ کہ موضوع روایات کو بھی لکھا گیا ہے۔ اس بارے میں ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ حضرت امام صاحب علم وفضل اور دینی وجاہت کے ان مدارج کو طے کیے ہوئے ہیں کہ جہاں انھیں ان روایات کی کوئی ضرورت نہیں۔ اُن کا مقام ومرتبہ اس طرح کی روایات سے بالاتر ہے۔ نیز اگر ان روایات کا ضعیف اور موضوع ہونا بیان کر دیا جائے تو خدشہ ہے کہ بعض جہال وسفہاء حضرت امام اعظم کے اس فضل وعلم کا بھی انکار کر بیٹھیں گے جو کہ ایسی کمزور تاریخی روایات کے علی الرغم قائم ودائم ہے۔

درج بالا تحفظات اور معروضات ہمارے خیال میں اس قابل ہیں کہ فاضل مؤلف مدظلہ ان پر توجہ فرمائیں اور ان کا مداوا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی وناصر ہو۔ آمین (تبصرہ: صبیح ہمدانی)

● **علاماتِ ترقیم اور ہمزہ لکھنے کے قواعد**　　مؤلف: مولانا الیاس احمد

ناشر: مدرسۃ العلوم فاروقیہ، ساکہ تحصیل کھاریاں، گجرات

ہمارے پڑھنے والوں کے لیے یہ بات شاید نئی اور حیرت انگیز ہو کہ مہذب دنیا کی تاریخ میں کسی بھی رسم الخط میں رموز اوقاف کے استعمال کا اوّلین سراغ ہمیں جس کتاب میں ملتا ہے اس کا نام قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید سے پہلے رموز واقاف کا دنیا میں کوئی تصور نہ تھا (رک: صفحہ ۶، محمد سجاد مرزا، اردو رسم الخط عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدرآباد دکن ۱۹۴۰ء نیز ڈاکٹر طارق عزیز، اردو رسم الخط اور ٹائپ صفحہ ۱۹، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء)

محترم مصنف نے اس موضوع کی اہمیت وارفعیت کا درست اندازہ لگاتے ہوئے اس کتابچے کو تحریر فرمایا ہے۔ چونکہ اس تحریر کے مخاطب صرف دینی مدارس کے طلبہ ہیں۔ اس لیے اس میں صرف عربی قواعد املا ورموز اوقاف سے بحث کی گئی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوا گر فاضل مصنف اس موضوع کو وسعت دیتے ہوئے اردو رسم الخط، املا اور رموزِ اوقاف کے قواعد کو بھی ذکر فرمادیں۔ اس سے نہ صرف کتاب کی علمی وقعت میں اضافہ ہوگا بلکہ یہ پہلے سے زیادہ لوگوں کے لیے نفع بخش ثابت ہوگی۔ (تبصرہ: صبیح ہمدانی)

● **تجوید الاطفال**　　قاری حبیب الرحمٰن مدظلہ

ناشر: جامعہ صدیقیہ، توحید پارک گلشن راوی، لاہور

فن تجوید کی اہمیت فنونِ اسلامیہ میں امتیازی اور نہایت اہم ہے۔ کیوں کہ اس فن سے ناواقفیت کتاب عظیم قرآن مقدس کی تلاوت میں ایسی غلطیوں کا سبب بنتی ہے جو مفہوم ومعانی کی تبدیلی کے علاوہ ثواب سے حرمان اور گناہ کے لزوم کا موجب ہیں۔

فاضل مؤلف جناب قاری حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ کو اس نزاکت واہمیت کا خوب احساس ہے اور ان کے

اس احساس کا نتیجہ ان کے وہ سب تحقیقی و تصنیفی کارنامے ہیں جو اس موضوع سے ان کی محبت کی غمازی کرتے ہیں۔

زیرِ نظر کتابچہ بھی تجوید کے بابرکت فن پر ان کی ایک تحریری کاوش ہے۔ استادِ تجوید ہونے کی حیثیت سے قاری صاحب کو اپنے کم عمر طلباء کی ذہنی کیفیت کا نہایت باریک بینی سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس دقیق مشاہدے کو ان کی سب تصنیفات کی وجۂ امتیاز ٹھہرایا جاسکتا ہے کہ افہام و تفہیم مخاطبین کی ذہنی سطح سے آگاہی پر موقوف ہے۔ (تبصرہ: صبیح ہمدانی)

● **تلفظ ضاد**　　قاری حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ

ناشر: جامعہ صدیقیہ توحید پارک، گلشن پارک، لاہور

حرف ''ض'' (ضاد) عربی حروف تہجی کا پندرھواں حرف ہے۔ ضاد کا حرف عربی زبان سے خاص ہے اور عربی زبان کے ناموں میں سے ایک نام ''الضاد'' یعنی ضاد کی زبان بھی ہے۔

اس حرف کے اختصاصاً عربی ہونے کی وجہ سے عجمی یعنی غیر عربی زبانیں بولنے والے لوگوں کے لیے اس کا تلفظ کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اس حرف کی ادائیگی میں اختلاف صدیوں سے رہا ہے۔ ہمارے (برصغیر) کے علاقوں میں اسے زیادہ تر ''دال''، ''ذال'' یا ''ظا'' کے مشابہہ پڑھا جاتا ہے۔ اس اختلاف ادا کی وجہ سے ایک عرصہ بے چینی اور اضطراب دیکھنے میں آتا رہا۔ کچھ جہلاء نے اس اختلاف کو ہوا دینے اور اس کی بنیاد پر اپنی سیاست کرنے کے لیے اپنی پوری صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ بہت مشہور واقعہ ہے کہ:

۱۹۲۱ء میں تحریک خلافت کے دوران امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے مسجد رونٹی والی گجرات میں تقریر کی اور آغاز میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت فرمائی۔ خطبہ اور تلاوت کے بعد سکوت اختیار کیا ہی تھا کہ ایک پیر صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے ''شاہ جی! آپ نے ''ولا الضّالین'' میں ''داد'' کی جگہ ''ضاد'' کیوں پڑھا ہے؟

شاہ جی نے بداہتہً جواب دیا: ''رات کو میں نے حلوہ کھایا، جس سے مجھے ''کبد'' (قبض) ہوگئی۔ میں صبح کو حکیم کے ہاں گیا۔ اس نے میری ''نبد'' (نبض) دیکھی اور اس نے کہا کہ یہ ''مرد'' (مرض) لادوا ہے۔'' یہ سنتے ہی پیر صاحب نے چپ سادھ لی اور سر چھپا کر بیٹھ گئے۔ انھیں جائے پناہ نہ ملتی تھی۔ مضطرب و پریشان مجمع زعفران زار بن گیا۔

فاضل مرتب نے بہرحال اس موضوع پر کافی عرق ریزی کے ساتھ تحقیق کی ہے اور نہ صرف برصغیر پاک و ہند کے ائمہ تجوید و قراءت کے فرامین و عبارات بلکہ حرمین اقدسین کے ائمہ فن و علماء کے فتاوی و عبارات کو بھی جمع کیا ہے۔

اس کی جامعیت کے پیش نظر امید کی جاسکتی ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر کافی وشافی ثابت ہوگی۔

(تبصرہ: صبیح ہمدانی)

● **ماہنامہ ''رُشد'' لاہور** ۔ مئی، جون ۲۰۰۸ء (حرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر)

مدیر: حافظ انس نضر مدنی　　ملنے کا پتا: ۹۹۔ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

ماہنامہ ''رُشد'' لاہور کے ادارہ نے توہین آمیز خاکوں کے تناظر میں حرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر اشاعت کا

اہتمام کیا ہے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمانوں کے لیے مرکزِ رشد و ہدایت اور مرکزِ امت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آغازِ اسلام سے ہی ہر دور کی باطل قوتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روبہ عروج دعوت کو روکنے کے لیے ہزاروں جتن کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو مجروح کرنے کی ناپاک کوشش کی اور اس مقصد کے لیے اہل باطل نے ہر اخلاقی حد کو پھلانگتے ہوئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو تضحیک و تحقیر کا نشانہ بنایا۔ موجودہ دور میں سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے بد باطنوں کی ہرزہ سرائی اسی مکروہ سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

۳۰ ستمبر ۲۰۰۵ء ڈنمارک کے اخبار جیلانڈ پوسٹن نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز خاکے شائع کیے۔ جس پر عالم اسلام سراپا احتجاج بن گیا۔ ان اہانت آمیز خاکوں کی لگاتار اشاعت اور اس پر اہل مغرب کی ڈھٹائی اس بات کی غماز ہے کہ اس کے پیچھے اسلام مخالف ایک منظم سازش کام کر رہی ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان حکمران بھی اس پر چپ سادھے ہوئے ہیں۔ گو مسلمان اور دردِ دل رکھنے والے ادارے اپنی جگہ اپنے دکھ کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ:

نہ مئے باقی، نہ مئے خانہ، نہ مئے خانے کا ساقی ہے
تماشا ختم ہے بس اک امید باقی ہے

اسی حوالے سے ماہنامہ ''رُشد'' لاہور کی یہ حرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نمبر کی اشاعت قابلِ صد تحسین و آفرین ہے اور اس کاوش کے لیے ادارہ ''رُشد'' مبارک باد کا مستحق ہے۔ اس شمارے میں عطاء اللہ صدیقی، صلاح الدین یوسف، ڈاکٹر خالد علوی، حافظ ثناء اللہ مدنی، مفتی عبدالرحمٰن رحمانی اور مفتی عبدالستار حماد ایسے نامور قلم کاروں کی تحریریں شامل ہیں۔ خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ ۲۲۴ صفحات پر مشتمل اس مجلّہ کی قیمت صرف تیس روپے مقرر کی گئی ہے۔ (تبصرہ: شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی)

● **جہادِ افغانستان کا یکتا مجاہد۔ مولانا راحت گل رحمۃ اللہ علیہ**　　مؤلف: مولانا سید العارفین

ضخامت: ۴۰۴ صفحات　　قیمت: ۲۰۰ روپے　　ناشر: راحت المصنفین، مرکز علومِ اسلامیہ، راحت آباد، پشاور

حضرت مولانا راحت گل رحمہ اللہ پاکستان کی ممتاز علمی اور جہادی شخصیت تھے۔ اُن کی علمی و جہادی خدمات کا دائرہ پاکستان اور افغانستان کے کناروں تک پھیلا ہوا ہے۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے لے کر میدانِ جہاد تک اُن کا فیضان جاری ہے۔

شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب کتاب کی تقریظ میں لکھتے ہیں:

> ''وہ شیخ الجامعہ حضرت مولانا گل بادشاہ رحمہ اللہ کی سنگت و صحبت کی بدولت علم و عرفان سے منور ہوئے اور اوجِ کمال سے ہم کنار ہوئے۔ عرصہ دراز تک جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کے روح رواں رہے۔ تمام عالم اسلام، یورپ، امریکہ، افریقہ کے اسفار میں احوالِ عالم سے روشناس ہوئے۔ آخر میں مرکزِ علومِ اسلامیہ کے نام پر ایک علمی ادارہ قائم فرما گئے جو سینکڑوں تشنگانِ علومِ قرآن و حدیث کو سیراب کرنے میں مصروف ہے۔ جہادِ کشمیر، جہادِ فلسطین کے سوز و گداز میں تڑپتے رہے۔ پھر خاص کر جہادِ افغانستان میں دن رات مصروف رہے۔''

کتاب کے آغاز میں مولانا فضل الرحمٰن اور قاضی حسین احمد کی تقاریظ سے معلوم ہوا کہ مولانا راحت گل نے سیاسی جدوجہد کا آغاز جمعیت علماء اسلام میں شامل ہو کر کیا، جس کی انتہا جماعتِ اسلامی کی رفاقت پر منتج ہوئی۔

کتاب چھے ابواب پر مشتمل ہے۔ مولانا کے سوانحی حالات، علمی، دینی، تبلیغی اور جہادی خدمات، جہادِ افغانستان میں عملی شرکت، جہادی رہنماؤں اور گورباچوف کے نام خطوط، سوویت یونین کے خلاف جہاد کرنے والے گلبدین حکمت یار، برہان الدین ربانی، احمد شاہ مسعود، استاد عبدالرب سیاف اور دوسرے دور میں ملا محمد عمر سے ملاقاتیں، تأثرات، تبصرہ و تجزیہ، افغانستان کے دس سے زائد اسفار اور وہاں کی قیادت سے ملاقاتوں کے تفصیلی احوال اور بہت کچھ اس کتاب میں شامل ہے۔

مولانا کے فرزند و جانشین مولانا سید العارفین نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے اپنے والد ماجد کی سوانح و خدمات پر اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ موصوف خود اپنے والد ماجد رحمہ اللہ کے ساتھ افغانستان کے اسفار میں ساتھ تھے۔ انھوں نے بہت قریب سے ان کا مشاہدہ کیا اور اس کتاب میں سمو دیا۔ (تبصرہ: سید عطاء المنان بخاری)

● تحفظ ختم نبوت کی صد سالہ تاریخ　　ترتیب و تدوین: مولانا مشتاق احمد چنیوٹی

ضخامت: ۸۶۴ صفحات　قیمت: درج نہیں　ملنے کا پتا: مکتبہ انور شاہ، جامعہ عربیہ، چنیوٹ (ضلع جھنگ)

امتِ مسلمہ کو جتنا نقصان اسلام کے نام پر اٹھنے والے فتنوں سے ہوا اتنا کفار و مشرکین سے نہیں ہوا۔ یہود و نصاریٰ اسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمن ہیں، لیکن ان میں اسلام کے خلاف براہِ راست لڑنے کی جرأت و ہمت پہلے تھی نہ اب ہے۔ انھوں نے ہمیشہ چھپ کر اور پس منظر میں رہ کر اوچھا وار کیا۔ اسلام کے نام پر فتنوں کو پروان چڑھایا اور اُن کے ذریعے اسلام کے بنیادی عقائد پر حملہ کیا۔ فتنۂ ارتداد، انکارِ ختمِ نبوت، فتنۂ انکارِ زکوٰۃ، خوارج، روافض، سبائی اور ناصبی سب یہود و نصاریٰ کے پروردہ اور آلۂ کار فتنے ہیں۔

فتنۂ قادیانیت اسلام اور امتِ مسلمہ کے خلاف سب سے بڑا فتنہ ہے۔ جس کا حسب و نسب فتنۂ ارتداد کے بانی مسیلمہ کذاب سے جا ملتا ہے۔ ہندوستان پر انگریز قابض ہوا تو اس کے مقابلے میں سب سے بڑی مزاحمت مسلمان تھے۔ مسلمانوں کے عقیدہ و جذبۂ جہاد کو ختم کرنے اور امتِ مسلمہ کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے انگریز کو مرزا غلام احمد قادیانی (لعنۃ اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واعوانہٖ وانصارہٖ) جیسا چاپلوس، بدکردار، مفاد پرست، جھوٹا، فریبی، مکار اور دھوکے باز شخص میسر آ گیا۔ مرزا، اس کے خاندان اور اس کی ذریّت البغایا نے نصرانی حکمران انگریز کی ہمہ جہت دلاّلی، ایجنٹی اور خدمت گزاری کا حق ادا کیا۔ انگریز نے مرزا قادیانی اور اس کے حاشیہ نشیں ذلہ رباؤں کو اپنا خود کاشتہ پودا قرار دیا جس کا اعتراف خود مرزا نے بھی اپنی تحریروں میں کیا۔ مرزا قادیانی اور اس کے پیرو کار قادیانی گروہ نے انگریزی اقتدار کے دوام و استحکام کے لیے اپنی عزت، سرمایہ اور تمام صلاحیتیں وقف کر دیں اور اپنے آقائے ولی نعمت سے خوب انعام پایا اور اب تک سود در سود وصول کر رہا ہے۔

دوسری طرف ہندوستان کے علماءِ حق نے اس فتنے کے خلاف صدائے جہاد بلند کی اور اللہ تعالیٰ کی عطاء کی ہوئی تمام صلاحیتیں عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور محاسبۂ قادیانیت کے لیے وقف کر دیں۔ انھوں نے حضور خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی لازوال محبت کا اظہار پوری ایمانی قوت کے ساتھ کیا اور ہر محاذ پر قادیانیوں کو ذلیل ورسوا کیا۔

۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا قادیانی واصل جہنم ہوا۔ ۲۶ر مئی ۲۰۰۸ء کو مرزا قادیانی کو مرے ہوئے سو سال ہو گئے۔ مرگِ مرزا کے سو سال پورے ہونے پر قادیانیوں نے ۲۰۰۸ء میں جشن منانے کا اعلان کیا۔

تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والی جماعتوں میں ایک نام ''انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ'' ہے۔ جس کے سربراہ فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالحفیظ مکی دامت برکاتہم ہیں۔ انھوں نے اپنی جماعت کی مشاورت سے قادیانیت کے محاسبہ و تعاقب کی سو سالہ جدوجہد پر ایک مضبوط و مدلل کتاب کی اشاعت کا فیصلہ کیا۔

مولانا مشتاق احمد چنیوٹی تاریخ وادب کے مطالعے کا خاص ذوق رکھتے ہیں اور فتنۂ قادیانیت کی تاریخ پر اُن کی گہری نظر ہے۔ وہ سفیرِ ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ قرعۂ فال اُن کے نام نکلا کہ وہ ایک عظیم الشان کام کو اپنے ذمہ لیں اور مکمل کر دیں۔ چنانچہ مولانا مشتاق احمد چنیوٹی نے تین چار ماہ کی مختصر مدت میں محنتِ شاقہ کے بعد ''تحفظ ختم نبوت کی صد سالہ تاریخ'' مرتب فرما دی۔ انھوں نے تحفظ ختم نبوت کی تاریخ ساز جدوجہد کو چار ادوار پر تقسیم کیا ہے۔ ۱۸۸۴ء تا ۱۹۰۸ء، ۱۹۰۸ء تا ۱۹۵۳ء، ۱۹۵۳ء تا ۱۹۷۴ء اور ۱۹۸۴ء تا حال ۲۰۰۸ء

مولانا مشتاق احمد نے علماء ومجاہدین اور اُن کی جماعتوں کی سعی وجدوجہد کو بغیر کسی تعصب کے من وعن زمانی ترتیب سے پیش کر دیا ہے۔ دیوبندی، اہل حدیث اور بریلوی مسالک کے علماء نے جو خدمات انجام دیں اُنھیں اختصار کے ساتھ اس کتاب میں سمو دیا ہے۔ نیز اس تحریک میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ اور اُن کی جماعت مجلس احرار اسلام کے کلیدی کردار کو بھی بلا کم وکاست جمع فرما دیا ہے۔ ''تحریک تحفظ ختم نبوت'' کے حوالے سے شائع ہونے والی اکثر کتابوں پر کسی خاص نقطۂ نظر کی چھاپ ضرور دکھائی دیتی ہے مگر مولانا کی کتاب اس زمرے میں نہیں آتی۔ مولانا مشتاق احمد چنیوٹی اس عنوان پر مزید محنت بھی فرما رہے ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ وہ ایک اور کتاب بھی اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی نصرت فرمائیں۔ (آمین) مولانا شیخ عبدالحفیظ مکی دامت برکاتہم، مولانا زاہد الراشدی اور مولانا محمد الیاس چنیوٹی کی تقاریظ کتاب کی زینت ہیں۔ محاسبۂ قادیانیت کی سو سالہ جدوجہد پر ایک بہترین کتاب ہے جس کا تحریک ختم نبوت کے ہر کارکن کے پاس ہونا اشد ضروری ہے۔ (تبصرہ: کفیل بخاری)

☆☆☆

ادارہ　　مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں

اخبار الاحرار

موجودہ حالات میں سیدنا معاویہ کی سیاست وتدبر پر عمل کر کے ملکی حالات کو سنبھالا جا سکتا ہے

تحریک طلباء اسلام ملتان کے زیر اہتمام ''یومِ سیدنا معاویہ'' سے مقررین کا خطاب

ملتان (۳۰ / جولائی) سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا روشن اسوہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے نمونۂ عمل ہے۔ ایک اولوالعزم حکمراں، ایک جلیل القدر صحابیِ رسول اور ایک کاتب وحی کی حیثیات میں آپ کی حیات مقدسہ کے ادوار عشقِ رسول سے عبارت ہیں۔ ان خیالات کا اظہار تحریک طلباء اسلام ملتان کے زیر اہتمام یوم معاویہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں منعقدہ تقریب سے مقررین نے کیا۔ انھوں نے کہا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے چھٹے خلیفۂ راشد ہیں۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو وہ خلافت سپرد کی جو ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ سے رشد و ہدایت کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پینسٹھ لاکھ مربع میل پر اسلامی سلطنت قائم کی۔ مقررین نے کہا موجودہ صورتِ حال میں سیدنا معاویہ کی سیاست وتدبر پر عمل پیرا ہو کر دگرگوں ملکی حالات کو سنبھالا جا سکتا ہے۔ دار بنی ہاشم میں منعقدہ اس تقریب سے تحریک طلباء اسلام ملتان کے امیر علی مردان قریشی، سیکرٹری جنرل مولوی اخلاق احمد، سیکرٹری نشریات سید عطاء المنان بخاری، محمد فرحان الحق حقانی، مولوی سلیمان یمنی، حافظ محمد یوسف، قاری مظفر خان اور سلیمان جیلانی نے بھی خطاب کیا۔ تقریب کے آخر میں مجلس احرار اسلام پاکستان کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل سید محمد کفیل بخاری نے بھی شرکت کی اور ان کے دعائیہ کلمات سے تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

قائدِ احرار سید عطاء المہیمن بخاری کا دورۂ کراچی (رپورٹ: ابومحمد عثمان احرار):

قائدِ احرار سید عطاء المہیمن بخاری ۶ / اگست بروز بدھ دو روزہ توحید وختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے لیے کراچی تشریف لائے۔ ائر پورٹ پر آپ کا استقبال شفیع الرحمٰن احرار، شاہد علی خان، عبدالغفور مظفر گڑھی اور دیگر نے کیا۔ قائدِ احرار، شاہد علی خان کے گھر تشریف لے گئے۔ رات کو بعد نماز عشاء جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی کے مہتمم شیخ الحدیث مفتی محمد نعیم دامت برکاتہم کے صاحبزادہ محمد نعمان صاحب کے ولیمہ میں شرکت فرمائی اس موقع پر مولانا تنویر الحق تھانوی، مولانا زرولی خان، صوبائی وزیر رؤف احمد صدیقی، ناظم کراچی سید مصطفی کمال، تنظیم العلماء پاکستان کے سیکرٹری جنرل قاری اللہ داد، طارق مدنی، سیف اللہ ربانی، مولانا غلام رسول، مفتی عطاء الرحمٰن قریشی، مفتی جمال عتیق، مولانا ساجد محمود، مولانا عبدالحمید، مولانا عبدالمجید، مولانا احتشام الحق، شفیع الرحمٰن، حبیب احمد، قاری عبدالحلیم (والد مفتی محمد نعیم) سرپرست

جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی اور دیگر ان کے عزیز واقارب کے علاوہ محبوب احمد، قاری امین، عبدالرزاق اور کراچی کے دیگر معزز علماء اور معززین شہر سے ملاقات ہوگئی۔ ۹ راگست بروز جمعرات دوروزہ توحید وختم نبوت کانفرنس کے پہلے پروگرام میں شرکت کے لیے بعد نمازِ عصر تشریف لے گئے۔ شیخ الحدیث مفتی فضل اللہ الحمادی مہتمم مدرسہ عربیہ ضیاء القرآن حمادیہ خطیب جامع مسجد فاروقیہ مجاہد چوک ناظم آباد نمبر ۴، نواسۂ مولانا گل شیر شہید علامہ مفتی ہارون مطیع اللہ، قاری علی شیر قادری، شاہد علی خان مدرسہ ہٰذا کے علماء، طلباء اور اساتذہ نے آپ کا استقبال کیا۔ بعد نماز مغرب مجلس ذکر کا انعقاد کیا گیا۔

۹ راگست بروز ہفتہ حضرت پیر جی نے حضرت مولانا یحییٰ مدنی دامت برکاتہم (خلیفہ مجاز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمتہ اللہ علیہ) سے ملاقات اور ناشتہ کیا۔ مدینہ منورہ میں اپنے ساتھ قیام کے گزشتہ واقعات کا تذکرہ اور اللہ کا شکر اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بار بار حاضری کی تمنائیں، ناشتہ کے میزبان اور دیگر مہمانوں کے لیے سبق آموز تھیں۔

☆☆☆

کراچی (۶ راگست) حکمرانوں کی پالیسیاں اسلام اور نظریۂ پاکستان سے متصادم ہیں۔ سرکاری نصابِ تعلیم اعلیٰ اخلاقی اور معاشرتی اقدار کو پروان چڑھانے سے قاصر ہے۔ ان خیالات کا اظہار قائدِ احرار سید عطاء المہیمن بخاری نے مدرسہ عربیہ ضیاء القرآن حمادیہ کے مہتمم شیخ الحدیث مفتی فضل اللہ الحمادی کے زیرِ صدارت دوروزہ توحید وختم نبوت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ قائدِ احرار نے کہا کہ قرآن وحدیث کے الہامی قوانین میں کسی قسم کی مداخلت مسلمان برداشت نہیں کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرنے کی کوشش قرآن میں موجود حدود اللہ میں صریحاً مداخلت ہے جسے مسلمان کسی قیمت پر تسلیم نہیں کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ سرکاری نصابِ تعلیم احکاماتِ الٰہیہ سے نابلد گریجویٹ تیار کر رہا ہے جو حلال وحرام کے احکام سے نابلد ہے۔ ڈالر کی محبت میں مگن اس گروہ نے ملک وملت کی عزت ووقار کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ کانفرنس مفتی ہارون مطیع اللہ، مفتی عطاء الرحمٰن قریشی، مولانا شاہد علی خان، مولانا غلام اللہ، مولانا طالوت، شفیع الرحمٰن احرار، مولانا ابراہیم، مولانا شفیق الرحمٰن، قاری مطلوب، قاری علی شیر قادری اور دیگر علماء شریک ہوئے۔

حفاظ کرام اور درسِ نظامی کے طلباء میں تقسیم اسناد:

کراچی (۸ راگست) قائدِ احرار سید عطاء المہیمن بخاری نے مسجد رحیمیہ مدرسہ نفائس القرآن میں تقسیم اسناد کے سالانہ پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن کریم حفظ کرنے والوں کو اللہ نے چن لیا ہے کہ ان کے قلوب کو خالص اپنی مقدس کتاب کے لیے منتخب فرمالیا۔ قرآن کریم اصل متن کے ساتھ معجزہ کے طور پر دنیا کے کونے کونے میں موجود ہے۔ اسرائیلی اور امریکی شرپسندوں نے ''فرقان الحق'' کے نام پر جعلی تحریف شدہ کتاب شائع کی۔ قادیانیوں اور منکرین حدیث پرویزیوں کے ذریعے معنیٰ اور مفہوم میں تبدیلی کی مگر دینی مدارس کے بوریا نشینوں اور خانقاہوں کے شب زندہ داروں نے اللہ کی مدد ونصرت سے اس شیطانی سازش کو ناکام کردیا مدارس و مساجد اور خانقاہوں کے خلاف

یہود ونصاریٰ کا گمراہ کن پروپیگنڈہ اپنے منطقی انجام کو پہنچنے والا ہے۔

تقریب میں مولانا عبدالماجد، قاری عبدالکریم رحیمی، مولانا عبدالہادی، عبدالغفار میرانی، قاری اللہ داد، مفتی یوسف اللہ داد، مفتی ہارون مطیع اللہ، مولانا عبدالغفور مظفر گڑھی، شفیع الرحمٰن احرار اور دیگر علماء نے شرکت کی۔

دینی مدارس قرآن وحدیث کی تعلیمات کی اشاعت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں: سید عطاء المہیمن بخاری

کراچی (۸/اگست) مدرسہ جامعہ محمدیہ مہران ٹاؤن میں دوروزہ توحید وختم نبوت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے قائدِ احرار سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا کہ دینی مدارس قرآن وحدیث کی تعلیمات کی اشاعت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ نجات کا ذریعہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری وفدا کاری اور تبلیغی سرگرمیوں کی بدولت آج قرآن وحدیث وسنت کا پیغام ہماری نجات کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ کانفرنس میں مولانا خان محمد ربانی، قاری اللہ داد، شفیع الرحمٰن، علامہ مفتی ہارون مطیع اللہ، مولانا ضیاء اللہ پیرزادہ، مولانا عبدالرحمٰن، مفتی یوسف اللہ، قاری عبدالغفار میرانی، قاری علی اصغر اور دیگر علماء، مشائخ وقرا کرام کے علاوہ سیکڑوں احباب نے کانفرنس میں شرکت کی۔

☆☆☆

کراچی (۸/اگست) قائدِ احرار سید عطاء المہیمن بخاری کے حکم پر ملک بھر میں احرار کارکنوں، علماء وخطباء اور شمع رسالت کے پروانوں نے صدر پرویز کے جابرانہ، اسلام دشمن روشن خیالی سے معمور نظریہ پاکستان سے متصادم دورِ اقتدار کے خاتمہ پر یومِ تشکر منایا۔ مجلس احرار اسلام کراچی کے رہنما مولانا عبدالغفور مظفر گڑھی، مفتی فضل اللہ الحمادی، ابومحمد عثمان احرار، سیکرٹری جنرل تنظیم العلماء پاکستان قاری اللہ داد، مفتی جمال عتیق، مفتی عطاء الرحمٰن قریشی اور دیگر علماء کرام نے صدر پرویز مشرف کے اقتدار کے خاتمہ کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے کہا کہ حالیہ تبدیلی چیف جسٹس افتخار چودھری کے ظلم کے خلاف ڈٹ جانے او رلال مسجد اور جامعہ حفصہ کی مظلوم طالبات کے سفاکانہ قتل عام سے صدر پرویز کے قدم لڑکھڑا گئے۔ احرار رہنماؤں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ چیف جسٹس کو بحال کیا جائے، شمالی علاقہ جات میں فوجی آپریشن کو فوری طور پر روکا جائے۔

مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام ملتان میں دس روزہ محاضراتِ ختم نبوت کا انعقاد

قادیانیت اسلام کے خلاف سب سے بڑا فتنہ ہے۔

عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت اور قادیانیوں کے محاسبے کے لیے سب مسلمان اٹھ کھڑے ہوں

ملتان (۱۸/اگست) تحریک ختم نبوت کا کام پوری دنیا میں جاری ہے اور فتنۂ قادیانیت کی حقیقت عیاں ہوچکی ہے اور وہ اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھ رہا ہے اس فتنے کی تباہ کاریوں سے امت کو بچانا تمام دینی قوتوں کی ذمہ داری ہے۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری نے دار بنی ہاشم میں جاری محاضراتِ ختم نبوت کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مسئلہ ختم نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور انکارِ ختم نبوت اسلام کے خلاف

سب سے بڑا فتنہ ہے۔ جسے برطانوی استعمار نے امت مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اوراپنی سیاسی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے پیدا کیا۔قادیانیت استعمار کا خود کاشتہ پودا ہے۔دنیا کے بدلتے ہوئے حالات ہم سے متقاضی ہیں کہ ہم انکارختم نبوت پرمبنی فتنوں کا گہرائی سے مطالعہ کریں اور فتنۂ قادیانیت کی اسلام اور ملک وملت کے خلاف سازشوں کی خطرناک بلکہ المناک تاریخ سے نوجوانوں کوآگاہ کریں۔قائداحرار نے کہا کہ قادیانی گروہ مسلمانوں میں انتشاروافتراق پیدا کرنے کے لیے طویل منصوبہ بندی کے تحت کام کررہا ہے۔فری میسن ویہودنصاریٰ اور ہردین دشمن تحریک کی پشت پناہی قادیانیوں کو حاصل ہے۔قائد احرار نے ختم نبوت کورس کے شرکاء کو قادیانیوں کی ملک بھر میں بڑھتی ہوئی غیرقانونی حرکتوں سے آگاہ کیا کہ کس طرح قادیانی چناب نگر میں مہنگے داموں زمینیں خرید کر مسلمانوں کے راستے مسدود کررہے ہیں اور چناب نگر کو''مرزائیل'' بنانے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔قادیانی اسرائیل کے ایجنٹ بن کر پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کررہے ہیں۔حکومت ہوش کے ناخن لے اوروطن عزیز کی سلامتی کو یقینی بنائے۔

دس روزہ محاضرات ختم نبوت میں قائد احرار کے علاوہ مولانا محمد مغیرہ،مولانا مشتاق احمد،حافظ عابد مسعود،سید صبیح الحسن ہمدانی،مولانا ابوریحان،سید محمد کفیل بخاری،مولانا اسحاق ظفراور مولانا فیصل متین سرگانہ نے لیکچرز دیئے۔محاضراتِ ختم نبوت ۹راگست کوشروع ہوکر ۱۸راگست ۲۰۰۸ءکو اختتام پذیر ہوئے۔مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم ملتان کے مدرسین مولانا فیصل متین سرگانہ،مولانا محمد اکمل اور طلباء نے بطریق احسن کورس کی نگرانی اورشرکاء کی خدمت کر کے اسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔تحریک تحفظ ختم نبوت اور مجلس احراراسلام کے زیراہتمام تحفظ ختم نبوت کے عنوان پرمختصر کورسز دیگر شہروں میں بھی منعقد کیے جارہے ہیں۔(ان شاءاللہ)

یہودونصاریٰ قادیانیوں کی بھرپورسرپرستی کررہے ہیں:عبداللطیف خالد چیمہ

چیچہ وطنی(۱۵راگست)مجلس احرارِاسلام کے مرکزی سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے برطانیہ کے شہر گلاسگو میں پیٹنو لی اولڈ ویسٹ کی ایک مسجد میں اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہماری تمام مشکلات کا حل قرآن و سنت اوراسوہ صحابہ(رضی اللہ عنہ) کرام پرعمل پیرا ہونے میں ہے۔مسلمان یورپی معاشرے میں اپنی پرامن جدو جہد جاری رکھ کرآنیوالے حالات کا مقابلہ کرسکتے ہیں اوراس جدوجہد کے لیے ہمارا مذہب امن آشتی کا درس دیتا ہے۔انھوں نے کہا کہ حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) کے منصب رسالت اورعقیدہ ختم نبوت کا تحفظ ہر مسلمان کا فرض ہے،جس کے لیے امتِ مسلمہ ہرقسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔یہودونصاریٰ کی امداد سے چلنے والے ادارے اوراین جی اوز اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈے میں مصروف ہیں۔ان کا مقصد امتِ مسلمہ میں باہمی انتشار پیدا کر کے قتل وغارت گری اورفحاشی و عریانی کوفروغ دینا ہے جس کے نتیجہ میں مسلمان قوم صرف نام کی مسلم قوم بن جائے۔اس کے لیے وہ قادیانیوں کی بھرپور سرپرستی کررہے ہیں۔عبداللطیف خالد چیمہ نے خطاب کرتے ہوئے دینی جماعتوں اور مذہبی شخصیات سے مطالبہ کیا کہ وہ

اسلام کے خلاف مغرب کے منفی پروپیگنڈے کے تدارک کے لیے ضروری ہے کہ باہمی اختلافات ختم کر کے اسلام کے بنیادی منشور بالخصوص عقیدہ ختمِ نبوت سے متعلق نوجوان نسل کی ذہن سازی کی جائے۔

قوم کے بیٹے اور بیٹیوں کو ڈالروں کے عوض بیچنے پر پرویز کے خلاف مقدمہ چلایا جائے: رانا عمیر قمر

چیچہ وطنی (۱۵راگست) جنرل پرویز مشرف کا مواخذہ ایک قومی نعرہ بن چکا ہے ان کو مواخذہ کے بعد انصاف کے کٹہرے میں لانا قوم کی آواز ہے۔ ان خیالات کا اظہار تحریکِ طلباءِ اسلام کے مرکزی رہنما رانا عمیر قمر نے ایک ہنگامی اجلاس میں کیا۔ انھوں نے کہا کہ مشرف نے لال مسجد میں قوم کی بیٹیوں کا خون بہایا، ان کو محفوظ راستہ دینے سے انکار کیا آج وہ کس منہ سے محفوظ راستہ مانگ رہے ہیں۔ لال مسجد کے شہداء کا خون رنگ لا رہا ہے۔ قوم کے بیٹے اور بیٹیوں کو ڈالروں کے عوض بیچنے پر مشرف کے خلاف مقدمہ چلایا جائے اور قرار واقعی سزا دی جائے۔ حکمران یاد رکھیں ہزاروں بیٹیوں کے قاتل مشرف کو اگر محفوظ راستہ دیا گیا تو اس پر بھرپور احتجاج کیا جائے گا اور یہ بات ملک و قوم کے ساتھ غداری ہوگی۔ اجلاس میں تحریکِ طلباءِ اسلام چیچہ وطنی کے سیکرٹری جنرل محمد قاسم چیمہ، سید سلیم شاہ، حافظ محمد مغیرہ، محمد معاویہ سراج اور دیگر کارکنان نے بھرپور شرکت کی۔

☆☆☆

چیچہ وطنی (۱۸راگست) پرویز مشرف کے استعفیٰ کے اعلان کے فوری بعد مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام جامع مسجد کے باہر اظہارِ تشکر کا بھرپور مظاہرہ کیا گیا جس کی قیادت شیخ الحدیث مولانا محمد ارشاد، شیخ عبدالغنی، صوفی نصیر چیمہ، سید میر رمیز احمد، حافظ حبیب اللہ چیمہ، مولانا منظور احمد، حافظ عابد مسعود ڈوگر، شیخ حبیب اللہ، حکیم محمد قاسم نے کی۔ اس موقع پر شیخ الحدیث مولانا محمد ارشاد اور دیگر مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستانی قوم کے لیے آج ایک متبرک دن ہے کہ طالبان، لال مسجد، جامعہ حفصہ کی طالبات اور مجاہدین اسلام کا قاتل اپنے انجام کو پہنچا۔ مقررین نے کہا کہ شہداء کا خونِ بے گناہی رنگ لایا ہے، وہ وقت دور نہیں جب مسلمانوں کے قاتل پرویز مشرف پر دنیا تنگ ہو جائے گی اور عذاب الٰہی اس کی موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ آخر میں انجمن تاجران جامع مسجد بازار کی طرف سے شرکاء کو مٹھائیاں تقسیم کی گئیں۔ مظاہرے میں پاکستانی پرچم اور مجلسِ احرارِ اسلام کے سرخ ہلالی پرچم لہراتے رہے۔ مظاہرے میں اسلام کی سربلندی، پاکستان کی سلامتی، شہداءِ لال مسجد، شہداءِ افغانستان کے حق میں نعرے گونجتے رہے۔

پرویز مشرف کو محفوظ راستہ دینے کا مطلب ملک وملت سے غداری کے مترادف ہے: عبداللطیف خالد چیمہ

چیچہ وطنی (۱۸راگست) مجلسِ احرارِ اسلام کے مرکزی سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے صدر پرویز مشرف کے استعفیٰ پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اُس کے منطقی انجام کو عذابِ الٰہی کی ابتداء قرار دیا ہے۔ برطانیہ کے شہر ''گلاسگو'' سے اپنے ٹیلی فونک پیغام میں پوری قوم کو مبارک باد دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ شہداءِ افغانستان اور شہداءِ

لال مسجد کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ اگر موجودہ حکمرانوں نے سیاسی وسفارتی معاملات اور بیرونی دباؤ کی وجہ سے صدر پرویز مشرف کا محاسبہ نہ کیا تو قوم اِن کو کبھی معاف نہیں کرے گی بلکہ اس کا انجام بدتحریکِ ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے شہداء کے خون سے غداری کرنے والے حکمرانوں سے بھی بدتر ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ اسے محفوظ راستہ دینے کا مطلب اپنے اقتدار کی خاطر ملک وملت سے غداری کے مترادف ہے۔

تحریک طلباء اسلام ملتان کے زیراہتمام ''یومِ امیرشریعت'':

ملتان (۲۱ راگست) امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی ساری زندگی برطانوی استعمار کی سرکوبی اور اس کے پروردہ قادیانی ٹولے کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے میں گزاری۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری انگریز کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن سمجھتے تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری فرمایا کرتے تھے مجھے ایک چیز سے نفرت ہے اور وہ ہے انگریز اور ایک چیز سے محبت ہے اور وہ ہے قرآن۔ مقررین نے کہا کہ شاہ جی کی انگریز کے خلاف نفرت کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ میں ان سؤروں کا ریوڑ چرانے کو بھی تیار ہوں جو برٹش امپیریلزم کی کھیتی کو ویران کرنا چاہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے قادیانی ٹولے کے خلاف ہر محاذ پر ہراول دستہ کا کردار ادا کیا۔ انھوں نے برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کے دل پر اس بات کو نقش کر دیا کہ قادیانی اسلام اور وطن دونوں کے غدار اور ناسور ہیں۔ مقررین نے کہا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی مجاہدانہ زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ امت کا ہر فرد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا محافظ اور پہرے دار ہے۔ سیمینار سے تحریک طلباء اسلام ملتان کے امیر علی مردان قریشی، سیکرٹری جنرل مولوی اخلاق احمد، ناظم نشریات سید عطاء المنان بخاری، مولوی نعمان احمد، محمد سلیمان یمنی، محمد فرحان الحق حقانی، محمد زید تہامی، قاری مظفر خان اور دیگر نے خطاب کیا۔

☆☆☆

دعائے صحت

☆ مجلس احرار اسلام رحیم یار خان کے رہنما حافظ عبدالرحیم نیاز کی اہلیہ شدید علیل ہیں۔

☆ مجلس احرار اسلام ملتان کے مخلص کارکن جناب محمد بشیر چغتائی شدید علیل ہیں۔

احباب ان کی صحت یابی کے لیے خصوصی دعائیں فرمائیں۔ (ادارہ)

الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کے زیر اہتمام
فضلاء درس نظامی کے لیے
خصوصی تربیتی کورس
(۱۵ شوال المکرم تا ۲۵ رجب المرجب)
زیر نگرانی:
مولانا ابو عمار زاہد الراشدی
مضامین
☆ تاریخ عالم اور تاریخ اسلام کا مطالعہ
☆ معاشیات، سیاسیات اور نفسیات کا تعارفی مطالعہ
☆ مطالعہ و تحقیق اور تصنیف کا جدید منہج
☆ معاصر ادیان و مذاہب، افکار و نظریات اور مغربی فلسفہ و ثقافت کا تعارف
☆ انگریزی و عربی بول چال ☆ کمپیوٹر سائنس
مولانا زاہد الراشدی
شرکا کو قیام و طعام اور تعلیم کی سہولت فراہم کی جائے گی۔
الشریعہ اکادمی
الشریعہ اکادمی کی علمی و فکری مطبوعات
☆ ''حدود آرڈیننس اور تحفظ نسواں بل'' [صفحات ۱۵۲]
☆ ''عصر حاضر میں اجتہاد: چند فکری و عملی مباحث'' [صفحات ۳۲۴]
☆ ''مذہبی جماعتیں اور قومی سیاست'' [صفحات ۱۰۴]
☆ ''متحدہ مجلس عمل: توقعات، کارکردگی اور انجام'' [صفحات ۱۵۲]
☆ ''دینی مدارس کا نصاب و نظام: نقد و نظر کے آئینے میں'' [صفحات ۳۱۶]
☆ ''جامعہ حفصہ کا سانحہ'' [صفحات ۱۴۸]
☆ ''خطبہ حجۃ الوداع: اسلامی تعلیمات کا عالمی منشور'' [صفحات ۱۲۸]
☆ ''جنرل پرویز مشرف کا دور اقتدار'' [صفحات ۵۹۲]
دیگر مطبوعات
☆ ''جناب جاوید احمد غامدی کے حلقہ فکر کے ساتھ ایک علمی و فکری مکالمہ''
از ابو عمار زاہد الراشدی / معتز احمد / ڈاکٹر فاروق خان / خورشید ندیم [صفحات ۲۰۰]
☆ ''دینی مدارس اور عصر حاضر'' (تربیتی ورکشاپ کی روداد) [صفحات ۲۳۲]
☆ ''قرار داد مقاصد کا مقدمہ''
از سردار شیر عالم خان / چودھری محمد یوسف [صفحات ۲۰۸]
شعبہ نشر و اشاعت: حافظ محمد طاہر 0334-4458256

نئی کتابیں

سیّدی و ابی

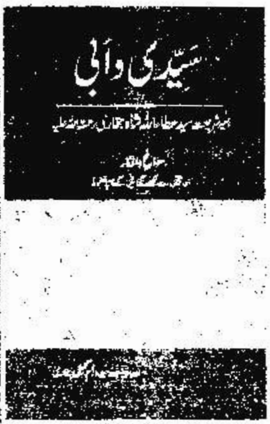

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ
کے سوانح و افکار اور جیل سے لکھے گئے بیٹی کے نام خطوط

*****

تاریخی واقعات، ذاتی یادداشتیں، عظیم شخصیات کا تذکرہ
ایک عظیم بیٹی کا اپنے عظیم باپ کو خراجِ تحسین

قیمت :-/250 روپے

مصنفہ

بنتِ امیر شریعت سیدہ اُم کفیل بخاری مدظلہا

تحریکِ آزادی کے عظیم رہنما، فدائے احرار

مولانا محمد گل شیر شہید رحمۃ اللہ علیہ

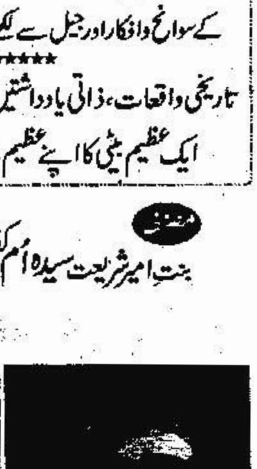

قیمت :-/250 روپے

مؤلف

ڈاکٹر محمد عمر فاروق

کراچی میں ملنے کا پتا

مفتی ہارون مطیع اللہ

D-301، ارم اپارٹمنٹس بلاک 17

گلشن اقبال، کراچی 0300-2161105

رابطہ بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061 - 4511961 0300-8020384

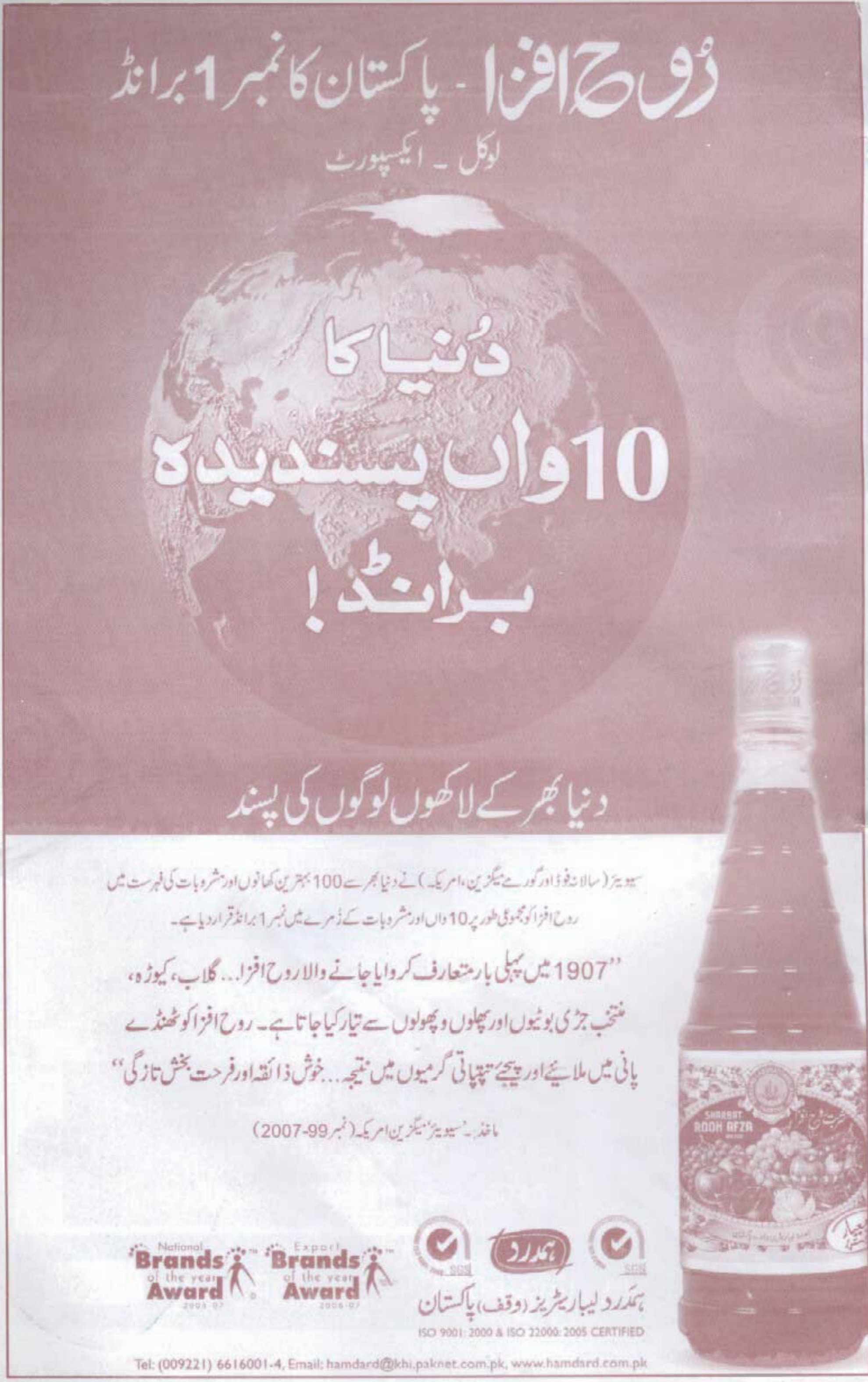
رُوح افزا - پاکستان کا نمبر 1 برانڈ
لوکل ۔ ایکسپورٹ
دُنیا کا
10واں پسندیدہ
برانڈ!
دنیا بھر کے لاکھوں لوگوں کی پسند
سیویئز (سالانہ فوڈ اور گورمے میگزین، امریکہ) نے دنیا بھر سے 100 بہترین کھانوں اور مشروبات کی فہرست میں
روح افزا کو مجموعی طور پر 10واں اور مشروبات کے زمرے میں نمبر 1 برانڈ قرار دیا ہے۔
''1907 میں پہلی بار متعارف کروایا جانے والا روح افزا... گلاب، کیوڑہ،
منتخب جڑی بوٹیوں اور پھلوں و پھولوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ روح افزا کو ٹھنڈے
پانی میں ملایئے اور پیجئے تپتپاتی گرمیوں میں نتیجہ... خوش ذائقہ اور فرحت بخش تازگی''
ماخذ۔ سیویئز میگزین امریکہ (نمبر 99-2007)
SHARBAT
ROOH AFZA
National Brands of the year Award 2006-07
Export Brands of the year Award 2006-07
ہمدرد
ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان
ISO 9001: 2000 & ISO 22000: 2005 CERTIFIED
Tel: (009221) 6616001-4, Email: hamdard@khi.paknet.com.pk, www.hamdard.com.pk

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ـــــ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ

جامعہ بستانِ عائشہ

کی تعمیر شروع ہے

بانی
سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ
قائم شدہ
1989

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

مخیّر حضرات

فی کمرہ لاگت
3,00,000
(تین لاکھ روپے)

نقد رقوم، اینٹیں، سیمنٹ
سریا، بجری اور دیگر سامانِ تعمیر
دے کر جامعہ کے ساتھ
تعاون
فرمائیں

تخمینہ
30,00,000
(تیس لاکھ روپے)

- 1989ء میں دارِ بنی ہاشم کے رہائشی مکان میں ایک معلّمہ سے بچیوں کی دینی تعلیم کا آغاز کیا گیا۔
- مدرسہ میں شعبہ حفظ و ناظرہ، ترجمۂ قرآن و تفسیر اور فقہ کی تعلیم جاری ہے

نوٹ

اپنے عطیات، زکوٰۃ و صدقات جلد از جلد عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں
تاکہ جامعہ کا تعلیمی سلسلہ بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہ سکے۔ (جزاکم اللہ خیر)

رابطہ
061 - 4511961
0300-6326621

ترسیلِ زر
بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری مدرسہ معمورہ
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 3017-2 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان
بذریعہ آن لائن: 010-3017-2 بینک کوڈ: 0165

الداعی الی الخیر
ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری
مہتمم جامعہ بستانِ عائشہ ملتان

Designed by
0300-7345096